گُم شُدہ مُحبت

انجم انصار

گم شدہ محبت

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر......
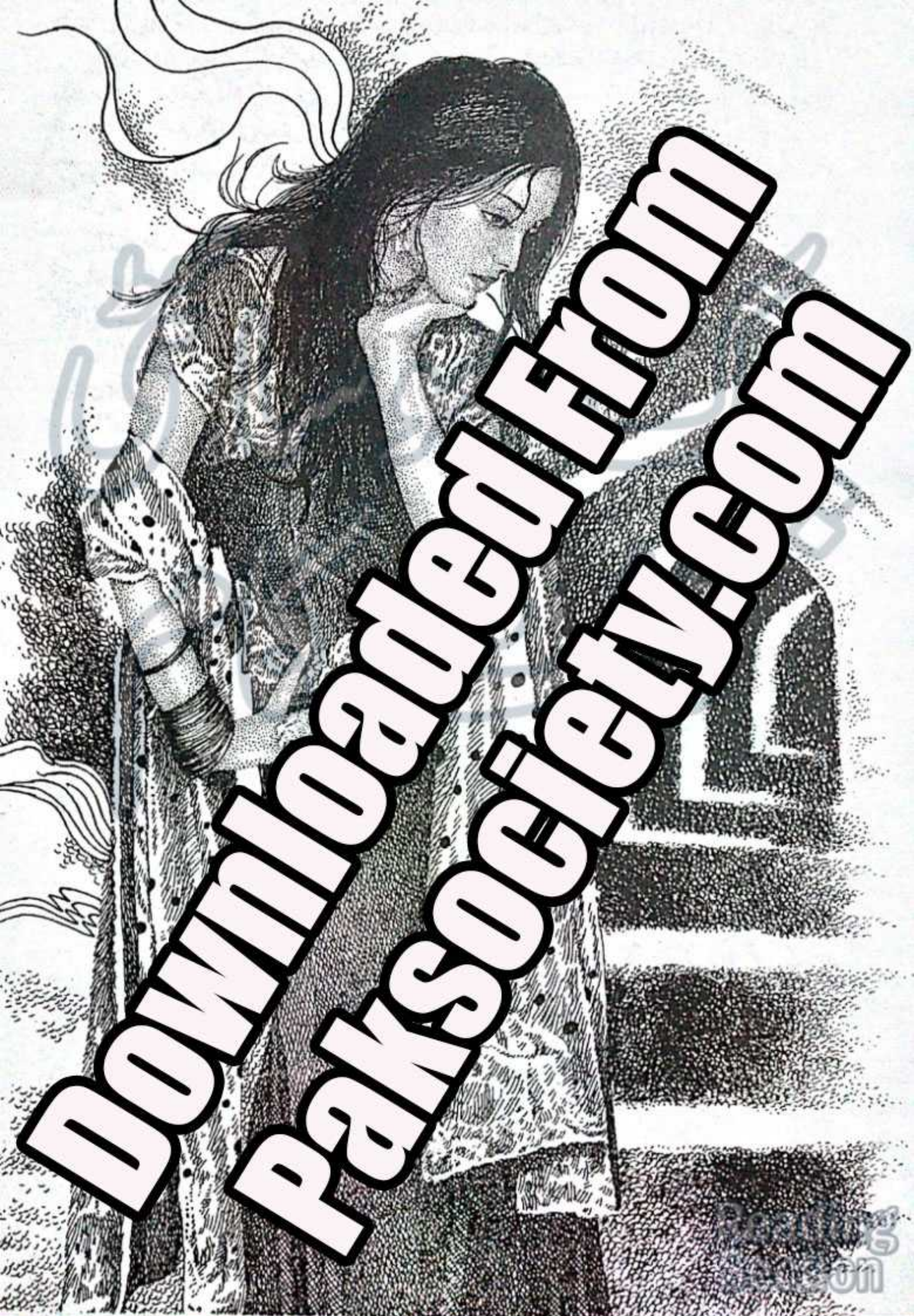
اللہ ہی جانے میں نے اخبار کے دفتر میں جاب کیوں کرلی تھی...... اور اخبار بھی وہ جس کو نکلے ہوئے زیادہ وقت بھی نہیں ہوا تھا...... اور مجھے وہاں کا شور شرابا دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی مچھلی بازار میں آبیٹھی ہوں۔

شور شرابا، غل غپاڑا...... مجھ کبھی پسند نہیں رہا تھا۔ اور یہاں تو ہر وقت کا ہوحق کا ماحول تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ہر وقت سر اٹھائے رہتی مگر اکثر لوگ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارلیا کرتے ہیں...... اسی طرح میں نے بھی مارلی تھی۔ اور اب اس کا افسوس بھی میں خود ہی منارہی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے میں یعنی صبا رحیم ایک پروڈکشن ہاؤس میں اسکرپٹ ایڈیٹر کی جاب پر فائز تھی...... سیلری بہت زیادہ اچھی نہیں تو اتنی بری بھی نہیں تھی۔ پروڈکشن ہاؤس گو بہت بڑا نہیں تھا...... مگر سال، ڈیڑھ سال میں ڈیڑھ سو اقساط کا ایک سوپ اور چند ڈرامے تیار کر ہی لیتا تھا۔

اس پروڈکشن ہاؤس میں میرا یہ کام تھا کہ اچھے رائٹرز کے مسودوں کو اس پروڈکشن ہاؤس کے مفاد کے تحت انہیں خراب بلکہ بے حد خراب کروں...... (میں واقعی یہی سمجھتی تھی) جب ہمارے باس اے ون مسودے کو دیکھ کر جھنجلا کر کہتے۔

''افوہ...... اس سوپ میں امی، ابا، نانی، نانا کے کرداروں کی کیا ضرورت ہے نکالو انہیں......'' تو میں واقعی پریشان ہو کر انہیں سمجھایا کرتی۔

''سر...... ان کرداروں کے سہارے اصل کہانی چل رہی ہے۔''

''بھئی گولی مارو انہیں...... یہ اماں، ابا، نانا، نانی جیسے سپورٹنگ کرداروں کو لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کرتا...... ہر ڈرامے میں ایک ہی جیسے روتے، رُلاتے ہوئے ہوتے ہیں، بعض جگہ تو ڈائیلاگز تک تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں...... میں تو بور ہوچکا ہوں اب ان سب سے......''

''مگر ہمارے سوپ سے تو نانی کا کردار نہیں نکل سکتا...... وہ قدم، قدم پر ہیروئن کو بچائے گی۔'' میں حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کرتی۔

''میں نے کہا ناں...... نہیں...... تو اس کا مطلب نہیں ہی ہوا کرتا ہے۔ کوئی ایسا سین لکھ دو جس میں ہیروئن صبح اٹھ کر اپنا خواب خود اپنے آپ کو سنائے...... کہ نانی اسے خواب میں کیا بتا کر گئی ہیں۔''

کبھی باس کو اس بات پر غصہ آجاتا...... کہ ڈرامے میں آؤٹ ڈور مناظر کیوں ڈالے گئے ہیں...... خواہ مخواہ کا خرچہ۔

''سر ہیروئن کو اپنے ہیرو سے ملاقات کے لیے باہر تو جانا ہی ہوگا ناں...... اب وہ اپنے گھر والوں کے سامنے تو ہیرو کو نہیں بلاسکتی۔'' میں ڈرامے کی نزاکت اور باریکیاں ان کے گوش گزار کرتی۔

''کیوں نہیں گھر بلاسکتی...... ہمارا ڈرائنگ روم کا سیٹ آخر کس کام آئے گا...... اگر نہیں بلاسکتی...... تو بلائے بہانے سے بلائے...... خوشی میں بلائے یا پریشانی میں بلائے...... اسے جو بھی بکواس کرنی ہو ہمارے اسی سیٹ پر کرے......''

''سر...... محبت بکواس نہیں ہوتی...... محبت بھرے اتنے خوب صورت مکالمے تو اس ڈرامے کی جان ہیں۔''

''پلیز مس صبا......! ایسی باتیں کرکے آپ میری جان نہ جلائیں۔ آپ کا یہ کام ہے کہ پروڈکشن کے بجٹ کے حساب سے اسکرپٹ میں تبدیلیاں کریں...... اور بس......''

''مگر سر! اس سے تو اصل کہانی ہی تبدیل ہوجائے گی۔''

''ہوجانے دو......''

''رائٹر ناراض ہوجائے گی۔''

''نہیں ہوگی ناراض......''

''نہیں سر، مجھے پکا پتا ہے ان باتوں سے رائٹرز ناراض ہوجاتی ہیں، مرد رائٹر شاید نہیں ہوتے ہوں مگر خواتین

رائٹرز زیادہ حساس ہوتی ہیں انہیں تو چھوٹی، چھوٹی باتیں بہت بڑی محسوس ہوتی ہیں۔" میں بھی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اصل بات کہنے سے باز نہ آتی۔

"ارے بھئی کہاناں، نہیں ناراض ہوں گی وہ..... کہ ہم زیادہ تر ان رائٹرز کو لیتے ہیں جنہوں نے ٹی کے لیے پہلے لکھا نہ ہو..... یا زیادہ نہ لکھا ہو..... وہ ذرا چوں چرا نہیں کرتیں۔"

"اگر کچھ کہا تو پھر....." میرا خود کا رائٹر ہونا منہ ماری سے باز نہ آتا۔

"اگر ایسا کچھ ہو تو کہہ دینا کہ لے جاؤ اپنا اسکرپٹ..... ہمیں نہیں چاہیے تمہارا اسکرپٹ..... اچھا ہے اس مد میں بھی ہمارے کچھ پیسے بچ جائیں گے۔"

"مگر سر یہ کہانی تو اپروو ڈ ہے..... ہم رائٹر کو کیسے اس کا اسکرپٹ واپس کر سکتے ہیں؟"

"جب ہم نے اس اسکرپٹ میں اتنی زیادہ تبدیلیاں کرلی ہیں تو پھر وہ ان کا اسکرپٹ رہا کہاں.....؟ اب تو اگر کوئی ان سے پوچھے گا بھی کہ آگے کیا آئے گا تو وہ نہیں بتا سکتیں..... کہ ہم ہر قسط کو شوٹ پر لے جانے سے پہلے اس میں اتنی تبدیلیاں کر دیتے ہیں کہ ہمیں خود بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔"

"مگر سر اس طرح تو سوپ کی قسط ہلکی ہو جائے گی۔"

"یہی تو ہم چاہتے ہیں..... کہ ایسا ہلکا پھلکا سا سوپ پیش کیا جائے جسے سب شوق سے دیکھیں....." وہ میری بات کا رخ ہی موڑ دیتے..... "بھئی بھاری یا بوجھل ڈرامے سر میں درد کر دیا کرتے ہیں۔"

"سر..... چینل کی دنیا میں آپ کا ایک اچھا نام ہے..... آپ کے پروڈکشن سے ماٹھی اقساط بنا کر بھیجی جائیں گی تو کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔" میں انہیں اپنے تئیں ڈرانے کی بھی کوشش کرتی..... اور ایک رائٹر کسی دوسرے رائٹر کے حق کے لیے اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"مس صبا..... آپ اپنے کام سے کام رکھیں..... پریشانیاں پالنے اور پوسنے کے لیے نہیں ہوا کرتیں..... کہ یہ ہوا تو وہ ہو جائے گا اور یہ ہوا تو ویسا ہو جائے گا..... کوئی کیا کہے گا..... اور کیا سنے گا..... جیسی چیزوں کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔"

"جی سر....." میں سر جھکا لیتی..... جس کا مطلب یہی ہوتا کہ آپ نے بجا فرمایا۔

"ارے ہمارا آئیڈیا اپروو ہے..... چینل سے آن ائر جانے کی ڈیٹ کنفرم ہو چکی ہے..... اب ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے۔" وہ سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ میری ہر بات کو اڑاتے ہوئے کہتے۔

"جی سر..... اگر سوپ کی اقساط ہلکی بھی بن جائیں تو آپ کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ لائٹ چیزیں زیادہ پسند کی جاتی ہیں۔"

"رائٹ..... اب سمجھی ہو تم..... ہمیں کسی کی بھی کوئی پروا کرنی ہی نہیں ہے..... کوئی بھی سوپ کی تمام اقساط باقاعدگی سے تو نہیں دیکھ سکتا..... اس میں ہلکی قسطیں بھی آسانی سے چل جاتی ہیں۔"

"جی سر....." میں مزید تبصرے سے گریز کرتی۔

"مس صبا..... تم یہ سمجھو کہ سوپ کا بنانا ایسا ہی ہے کہ اپنا جنگل ہے اور اپنا گھوڑا ہے۔ جب گھوڑا سرسبز میدانوں میں بھاگتا ہے تو کبھی دھیمی رفتار سے بھی چلے گا اور کبھی صحرا سے بھی گزرے گا..... اور کبھی ندی نالوں کو بھی پھلانگے گا۔"

"او کے سر....." میری زبان کے ساتھ میرا سر بھی اثبات میں ہلنے لگتا..... مگر میرا دل ہمہ وقت مجھ سے یہی کہتا..... صبا رحیم تم اپنی جاب سے انصاف نہیں کر رہی ہو..... جو تمہیں کرنا چاہیے تھا..... جو تمہاری سیٹ کا تقاضا تھا'

وہ تم بالکل نہیں کر رہی ہو...... بلکہ تم کر سکتی ہی نہیں ہو۔

یہ حقیقت بھی تھی...... اس جاب کو جوائن کرنے سے پہلے میری آنکھوں میں بہت سے خواب تھے...... اور میں بہت کچھ کرنا چاہتی تھی...... یہ میری دلی خواہش تھی کہ اچھے اسکرپٹ کو مزید خوب صورت ترین بنادوں...... سین خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو...... مگر اس میں شامل ہر کردار اپنا بھرپور تاثر چھوڑے اور کسی کردار کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ یہ بھرتی کا کردار تھا...... مگر میں تو ایک اچھی چیز کو برا بنانے میں ماہر ہو رہی تھی۔

اگر کسی رائٹر کا فون آجاتا اور وہ پوچھتی کہ اس کے اتنے اچھے لکھے ہوئے مکالمے کیوں نکال دیے گئے تو میں صفائی پیش کرتے ہوئے کہتی ...... ''ہم نے نہیں نکالے...... وہ شاید ایڈیٹنگ میں نکل گئے ہوں گے......'' وغیرہ...... کہ اپنا الزام کسی دوسرے کے سر پر ڈالنے کی وبا یہاں عام تھی۔

مجھے...... پروڈکشن ہاؤس میں جاب کرنا اب ایک درد سری لگنے لگا تھا کہ اگر کسی کی اچھی چیز کو برا بنانا گناہ ہے تو میں بھی اس گناہ میں برابر کی شریک ہو رہی تھی۔

اپنی بہترین سہیلی سے مشورہ کیا تو اس نے برملا کہا کہ...... ''ایسی جاب پر تو فوراً لات مار دینی چاہیے...... تم وہ سب کر رہی ہو جو تمہیں ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔''

اور یوں میں نے وہ جاب فوراً چھوڑ دی...... اور باس نے بھی مسکرا کر مجھے بائے، بائے کہا کہ شاید وہ مجھے سر پھری لڑکی ہی سمجھتا تھا۔

مگر مجھے حیرت کا جھٹکا اس وقت لگا کہ جس دوست نے مجھے یہ مشورہ دیا تھا...... اس نے فوراً ہی وہ جاب جوائن کرلی کہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ تیر کھانے والے جب پلٹ کر دیکھتے ہیں تو ان کی اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوا کرتی ہے...... اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا تو یہ کوئی نئی یا انہونی بات نہیں ہوئی تھی۔

میری خاص الخاص دوست صادقہ جس کو میں سب سے اچھی، سب سے زیادہ مخلص اور سب سے بہترین مشورہ دینے والی دوست سمجھا کرتی تھی...... وہ میری جگہ پر فوراً آگئی تھی...... اور ہٹ دھرمی علیحدہ کہ مجھے فون کر کے وہ یوں احسان ڈھار ہی تھی۔

''صبا...... تم نے یہ جاب چھوڑ کر بالکل صحیح فیصلہ کیا...... ایسے لوگوں کے ساتھ تم واقعی کام نہیں کر سکتی تھیں...... ایک تو تمہاری کوالیفکیشن کے حساب سے وہ تمہیں بہت کم سیلری دے رہے تھے...... دوسرے تم میں ہر ایک کے ساتھ مکس ہونے کا ہنر ہے ہی نہیں...... میں تو جاب لیس تھی...... مجھے تو یہ سیلری بھی چلے گی...... دوسرے میں اپنے آپ کو ہر رنگ میں ڈھال سکتی ہوں۔''

تب میں کلس کر رہ گئی مگر اسے مبارک باد ضرور دی کہ جتنی پُرخلوص تم اپنے دوستوں کے لیے ہو اللہ کرے اس کا اجر تمہیں اس جاب کے طفیل ضرور ہی ملے...... آمین۔

یہ خیال مجھے بہت بعد میں آیا کہ میرے دل میں باس کے خلاف کدورت پیدا کرنے والی یہ صادقہ ہی تھی جو اپنی جاب کی تلاش کے لیے ہر طرف ہاتھ پیر مار رہی تھی۔

''بھئی جب نوکری کرتی تو نخرہ کیسا ؟''

''بیچارہ باس...... صرف اسکرپٹ میں کاٹ پیٹ کو ہی تو کہہ رہا تھا...... ورنہ میری ایک دوست...... جس پروڈکشن ہاؤس میں جاب کرتی تھی...... وہاں تو اس سے دو چار رائٹرز کی لکھی ہوئی کہانیوں کو مکس کرنے کو کہا جاتا تھا...... اور وہ چپ چاپ کر دیا کرتی تھی...... کہ بعض نوکریوں میں صرف ہاتھ ہی نہیں بیچے جاتے بلکہ دماغ بھی گروی رکھ دیے جاتے ہیں۔

☆☆☆

نہ دماغ اجازت دے رہا تھا اور نہ ہی دل گواہی دے رہا تھا..... مگر پھر بھی اس نے ہامی بھر لی تھی۔
ماں کا دیا ہوا تصویر کا لفافہ، اس نے دیکھے بغیر دراز میں ڈال دیا تھا۔ ایک ایسا لڑکا جس نے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ، اپنی مرضی اپنی پسند اور اپنے حساب سے کیا تھا آج ماں کے سامنے بے بس ہو کر کہہ بیٹھا تھا۔

''جو آپ کی پسند وہ میری بھی.....''

''سچ کہہ رہے ہو ناں تم.....''

''میری یہ مجال کہ آپ کے روبرو جھوٹ بولوں گا۔''

''تو پھر میں ہامی بھر لوں؟''

''ارے ابھی تو آپ نے لڑکی بھی نہیں دیکھی صرف تصویر دیکھ کر ہی سارا معاملہ طے کر بیٹھی ہیں۔'' اسے ماں کی جلد بازی پر ہنسی آئی۔

''میرے بیٹے کا رشتہ کوئی منع کر سکتا ہے بھلا.....'' وہ فخر سے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''کیا پتا..... ہو کوئی ایسا.....''

''تو وہ پاگل ہی ہوگا۔''

''اور اللہ کسی پاگل سے میرا ناتا نہ جوڑے.....'' وہ بے پروائی سے کہتا ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔
اور وہ اپنے وجیہہ بیٹے کو یوں مسکراتا دیکھ کر از خود مطمئن سی ہو گئیں۔

''ضرور اس نے تصویر دیکھ لی ہوگی..... لڑکی بھی تو بلا کی حسین ہے، کیسی کٹار اسی تو آنکھیں ہیں اس کی..... یقیناً دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا ہوگا۔ ہاں جب ہی تو.....'' سلمیٰ بیگم منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر مطمئن سی ہو گئیں..... اور ملازمہ کو چائے کے لیے کہا..... یہ ان کی ہمیشہ کی عادت تھی..... کہ جب وہ زیادہ خوش ہوا کرتیں تو وقت کا خیال کیے بغیر بھی چائے ضرور پیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

میں نے چائے کا مگ خالی کر کے ٹرے میں رکھا ہی تھا کہ فرزانہ کی قصداً کھنکھار پر اسے مڑ کر دیکھا جو کیبن کے دروازے پر کھڑی مجھے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے.....؟ آفس کے ٹور پر نکلی ہو کیا.....؟ بگ باس نہیں آئے ابھی.....؟'' میں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

''کیا تم کہیں جا رہی ہو؟'' اس نے ایسے انداز میں پوچھا جیسے میری بات سنی ہی نہیں ہو۔

''ہو سکتا ہے، چلی جاؤں..... مگر بات تو دل کے لگنے کی ہے ناں.....''

''کیا دل لگ گیا.....؟'' اب اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

''ہوں..... زیادہ تو نہیں لگا.....'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تو کب جا رہی ہو.....؟''

''یہ تو میں ابھی بتا نہیں سکتی.....''

''اس کا مطلب ہے..... چھپا رہی ہو.....''

''نہیں بھئی..... اگر کسی نئی جاب پر گئی تو میں بھلا کیوں چھپاؤں گی..... سب سے پہلے تو اپنے فرینڈز سے ہی شیئر کروں گی ناں میں.....''

''میں جاب کی بات نہیں کر رہی؟''
''تو پھر کس کی بات کر رہی ہو؟''
''میں تمہاری شادی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں کہ کب کر رہی ہو شادی......؟''
''فرزانہ جب سے تم انگیجڈ ہوئی ہو بس تم یہی چاہتی ہو ہر لڑکی کی شادی جلدی سے ہو جائے۔''
''ہاں تو اس میں برائی کیا ہے......؟''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... مگر ہر کام کی طرح اس کا بھی وقت مقرر ہے...... جب وہ وقت آئے گا تو دیر بھی نہیں لگے گی۔''
''اور لوگ جو تمہارے بارے میں معلومات اکٹھی کرتے پھر رہے ہیں وہ سب بکواس ہے کیا......؟'' وہ دہاڑی۔
''تمہیں یہ سب باس نے بتایا ہوگا ناں......'' میں نے پوچھا۔
''ہاں...... وہی کہہ رہے تھے۔''
''انہیں خبریں گھڑنے کی عادت تو ہے ناں...... تو تم سمجھ لو...... کہ آج کی ان کی نئی خبر یہی ہے کہ میں شادی کر کے یہ اخبار چھوڑ رہی ہوں۔''
''تو کیا ایسا کچھ نہیں ہے......؟'' فرزانہ اب حیرت سے پوچھ رہی تھی۔
''یار اگر میری مرضی کی جاب مل گئی ناں تو میں ویسے ہی یہ جاب چھوڑنا چاہ رہی ہوں۔''
''کیا مطلب ہے، تمہارا یہاں بھی دل نہیں لگ رہا؟''
''نہیں...... اور کبھی کبھی تو بہت ہی دل گھبرا سا جاتا ہے۔''
''یہ بات تم اس لیے کہہ رہی ہو...... کہ اخبار کی اشاعت کم ہے۔ اخبار پاپولر بھی نہیں ہے۔''
''ہاں، یہ باتیں بھی ہیں...... مگر دل لگنے کی بات تو علیحدہ ہوتی ہے، کام کر کے مزہ آیا کرتا ہے...... مگر یہاں تو دومنٹ میں ایسی کی تیسی ہو جایا کرتی ہے۔''
''باس...... نے تو کبھی تمہیں کچھ نہیں کہا۔''
''پر ان کا رویہ...... جو دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے مجھ سے وہ بھی نہیں دیکھا جاتا۔''
''اچھا اب اتنی نازک اور حساس مت بنو...... تمہاری وجہ سے ہم سب کا جو دل لگا ہوا ہے۔'' فرزانہ نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔
''اچھا اور بگ باس کیا کہہ رہے تھے۔'' میں نے کریدتے ہوئے پوچھا۔
''صبو...... مجھے لگتا ہے بگ باس تمہیں چاہنے لگے ہیں۔'' فرزانہ ایک آنکھ دبا کر شرارت سے بولی۔
''سر توڑ دوں گی میں ابھی ان کا......'' مارے طیش کے میں کھڑی ہو گئی۔
''ارے رکو...... میری پوری بات تو سنو......'' وہ مجھے شانوں سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولی۔
''اچھا جلدی بکو......'' غصہ میرا کم نہیں ہو رہا تھا۔
''وہ دراصل بگ باس کہہ رہے تھے ...... ہم چاہتے ہیں کہ صبا رحیم کلرڈ پیج کی ماڈلنگ کو بھی لک آفٹر کریں......'' (وہ ان کے ہی لہجے میں بول رہی تھی)
اور فرزانہ کی پوری بات سن کر ہی مجھے ہنسی آ گئی۔ سر فرید کا تکیہ کلام ہم چاہتے ہی تھا...... اور اس کو ہمارے آفس ورکرز، کس طرح استعمال کیا کرتے تھے کہ ہنسی آ جایا کرتی تھی اور اس وقت میں فرزانہ کی بات پر یوں کھلکھلا کر ہنس رہی تھی کہ ہماری ٹینشن کی کثافت اس ہنسی میں کہیں دور بہہ گئی تھی۔

''تھینکس گاڈ..... تمہارے چہرے پر ہنسی تو آئی۔'' اب فرزانہ اس سے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

بات کر کے وہ واقعی ہلکی پھلکی سی ہوگئی تھیں۔ صبا کی ماں شہناز کا مہذب لہجہ انہیں دل سے پسند آیا تھا۔ سلمیٰ بیگم فون کر کے بڑی طمانیت سی محسوس کر رہی تھیں..... اور اپنے آپ سے خود ہی باتیں کرتے ہوئے وہ بے حد مسرور سی تھیں۔ سیبن گھر میں داخل ہوئی تو وہ چائے پی رہی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' اس نے ماں کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے اب..... آج تو میں اپنے آپ کو بے حد فریش محسوس کر رہی ہوں۔''

''بھائی جان کہاں ہیں؟'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی نکالے نہیں.....''

''آج تو میں صاف، صاف بات کرنے آئی ہوں..... آخر وہ چاہتے کیا ہیں..... اپنی سسرال میں چار جگہ تو میری سبکی ہوئی ہے۔''

''سیبن تمہاری سسرال کی خواتین کچھ زیادہ ہی ایکٹو ہیں..... میں نے تمہاری خلیہ ساس کی لڑکیوں کی تعریف کر دی تھی اور شاید کسی کے سلام کے جواب میں اس کے سر پر ہاتھ بھی پھیر دیا تھا تو انہوں نے ہر جگہ یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنے بیٹے کا رشتہ ان کے ہاں دیا ہے..... اور تمہاری جیٹھانی کی ماں کا پُرسا دینے میں ان کے گھر گئی..... تو یہ کہہ دیا گیا کہ میں ان کی چھوٹی بہنوں کو دیکھنے کے لیے گئی تھی..... حد ہوگئی ہے لوگ موقع تک کا لحاظ نہیں کرتے۔''

''اماں اب ہر شخص ہر بات کو اپنے ذہن کے حساب سے سمجھتا ہے..... تو کیا کریں..... اب تو ہر جگہ ہی ایسا ہو رہا ہے..... بات کچھ کہو اور اس کے معنی و مطالب دوسرے نکالے جاتے ہیں۔''

''یہ بات تو خیر تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... لفظوں کی ہیرا پھیری نے زندگی ضیق کر کے رکھ دی ہے۔''

''بھائی جان نے بھی کچھ کم پریشان نہیں کر رکھا ہے..... اگر ان کی کوئی پسند ہے تو صاف، صاف بتا کیوں نہیں دیتے۔''

''اس کی کوئی پسند نہیں ہے۔'' اماں نے مسکرا کر کہا..... لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''جھوٹ بول رہے ہیں وہ... اگر ایسا ہوتا تو ہم نے جو درجنوں لڑکیوں کی تصویریں دکھائی تھیں..... وہ ان میں سے کسی کو تو اوکے کرتے..... اب اگر بڑا بھائی ہی شادی سے یوں بھاگے گا تو چھوٹا بھائی تو اس سے زیادہ بھاگے گا ناں..... اب یہ بھی کوئی نیا بہانا ہوگا ان کا..... سچی..... میں تو اب تھک گئی ہوں..... کوئی بھلا ایسا کیا کرتا ہے.....؟'' بڑی بہن کی پسند تو سب کی پسند ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو اکلوتی بہن کی رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔''

''اب وہ اپنے بہنوئی کی پسند کو پسند جو کر بیٹھے ہیں۔'' ظفر کمرے میں ساس کو سلام کرتے ہوئے داخل ہوئے تو موضوع سخن سن کر بولے۔

''آپ نے کس کو دکھا دیا.....؟'' سیبن نے حیرت سے پوچھا۔

''ایک لڑکی مجھے اچھی لگی تھی..... ممانی کو تصویر دکھائی تو انہیں مجھ سے بھی زیادہ اچھی لگی تھی..... ہے ناں مامی۔''

''بالکل.....'' سلمیٰ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اوہ..... آپ کو شادی کے بعد بھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں..... ماشاء اللہ..... بہت اچھے جا رہے ہیں اور آپ کی ساس بھی.....'' سیبن نے ماں کی کھنچائی کرتے ہوئے کہا۔

''ارے بات تو پوری سن لو..... اور احسان مانو میرا کہ میں اپنے سالے صاحب کے لیے دیکھ رہا تھا..... کہ شادی نہ کر کے سب کو پریشان جو کر رکھا ہے موصوف نے۔''

''اماں...... میں نے آپ کو پروین کی تصویر بھی تو دکھائی تھی...... اور اس کی پھوپی سے آپ کی ملاقات بھی کروائی تھی...... وہ لڑکی اچھی نہیں لگی آپ کو؟'' سبین نے پوچھا۔

''لڑکی تو وہ بھی اچھی تھی...... مگر اس کی پھوپی کی گفتگو کچھ عجیب سی لگی کہ ان کی بھابی کے نخرے بہت ہیں، اگر رشتہ قبول بھی کرلیا تو ابھی شادی نہیں کریں گی...... خوب سے خوب تر کی تلاش میں وہ باؤلی ہورہی ہیں۔''

''ارے ایسی باتیں کیں انہوں نے......؟'' سبین کو حیرت ہورہی تھی۔

''اب بتاؤ سگی پھوپی ایسی باتیں کرے گی تو پتانہیں وہ لوگ کیسے ہوں گے...... تم یہ اس لڑکی صبا کی تصویر دیکھو...... ظفر نے اس کے آفس سے اپنے ٹرمز کی بدولت حاصل کی ہے۔ دیکھو کتنی پیاری سی لڑکی ہے۔''

''ہاں تصویر تو واقعی بہت ہی اچھی ہے مگر بعض لوگوں کی تصویریں اصل سے زیادہ اچھی آتی ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... تصویر اور اصل میں فرق ہوتا ہے...... مگر ظفر نے تو یہ لڑکی آفس میں دیکھی ہے...... مگر پھر بھی تمہیں تو جانا ہوگا۔''

''کیا کہہ رہی ہیں آپ...... میں کیوں پہلے جاکر دیکھوں......''

''وہ اس لیے کہ آپ اکلوتی اور بڑی بہن ہیں...... اور آپ کی رائے کی بھی بہت اہمیت ہے۔'' ظفر نے بیوی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں سبین...... لڑکی والوں کے گھر جانا تو تمہیں ہوگا...... اس لیے پہلے تم جاکر دیکھ لو......'' اماں نے کہا۔

''جی نہیں، پہلے آپ اپنے لاڈلے سپوت سے پوچھ لیجیے۔ کتنی دفعہ ہوچکا ہے ایسا کہ ہمیں لڑکی پسند آگئی...... اور انہوں نے منع کردیا۔''

''اب یہ تو وہ کہہ رہا تھا کہ جس سے دل چاہے کردیں...... مگر اب مجھ سے مت پوچھیں...... میری کوئی پسند نہیں ہے۔''

''مگر گزارہ تو انہیں ہی کرنا ہوگا......'' سبین کا لہجہ پریشان سا تھا۔

''جس لڑکی کا مشاہدہ میں کررہا ہوں، وہ تو مجھے کافی سوبر سی لگ رہی ہے۔''

''پھر بھی دیکھ بھال کر رابطہ کریں...... آج کل جو ہوتا نہیں وہ دکھائی دیتا ہے...... اور جو دکھائی دیتا ہے...... وہ ہوتا نہیں۔''

''تو یہ ہے سبین...... تمہارا یہ نقطۂ نظر ہر لڑکی پر لاگو نہیں آتا...... آج بھی اچھی سے اچھی لڑکی موجود ہے...... مگر دیکھنے والے کی آنکھ چاہیے۔''

''اور آپ کی آنکھوں نے اسے پاس کردیا ہے؟''

''صرف پاس ہی نہیں کیا...... بلکہ اسے پوزیشن بھی دے دی ہے۔'' بیوی کو تپانے کے لیے ظفر تمسخر سے بولے تو سلمیٰ بیگم بھی مسکرانے لگیں کہ جب ظفر نے انہیں لڑکی کی تصویر اور اس کا بائیو ڈیٹا لاکر دیا تھا تو وہ انہیں بھی بہت پسند آئی تھی...... اور انہوں نے دل ہی دل میں کہا تھا کہ ''میرے بیٹے کے لیے ایسی ہی شاہزادی جیسی شان والی لڑکی ہونی چاہیے۔''

☆☆☆

''اگر کسی کا لڑکا اچھا پڑھ لکھ جاتا ہے تو ان کے گھر والوں کے دماغ اسی حساب سے خراب ہوجاتے ہیں۔ اب سلمیٰ بیگم نے دو مرتبہ آنے کو کہا...... اور پھر ضروری کام کا بہانہ کرکے منع کردیا۔'' شہناز اپنی بہن فرح سے کہہ رہی تھیں۔

''آپا...... اگر وہ آتے، آتے اپنا ارادہ تبدیل کررہی ہیں تو یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آکر بھی مطمئن نہ ہوں۔''

’’اگر مطمئن نہ ہوتیں...... تو رابطہ ہی کیوں کرتیں۔‘‘
’’ذی حیثیت بیٹوں کی مائیں...... اتراتی تو ہیں ناں......‘‘ فرح نے بہن سے کہا۔
’’مگر تمہاری شادی نہ ہونے کی وجہ...... صرف تمہارا اترانا تھا، ایم اے انگلش تم نے کیا کرلیا تھا کہ تمہیں کوئی اپنے پاسنگ کا ہی نہیں لگتا تھا۔‘‘
’’مگر آپا...... مجھے اس بات کا کبھی کوئی ملال تو نہیں ہوا۔‘‘
’’مگر مجھے تو ہے...... والدین کے بعد تم میری ذمے داری تھیں...... اور میں سرخرو نہ ہوسکی......‘‘ شہناز نے آہ بھر کر کہا۔
’’افوہ...... اب تو آپ میرے لیے آزردہ نہ ہوں...... جبکہ جانتی بھی ہیں کہ میری عمر کی خواتین اب نانیاں‘ دادیاں ہیں۔‘‘
’’ہاں...... یہی تو سوچتی ہوں میں...... کہ مجھے ہر بات تمہاری نہیں ماننی چاہیے کچھ اپنی بھی چلانی چاہیے تھی۔‘‘
’’ہاں...... اب چلایئے گا ناں آپ اپنی...... صبا کے سلسلے میں، میں بھی دیکھتی ہوں کہ وہ آپ کی کتنی مانے گی۔‘‘
’’مانے گی کیسے نہیں...... یہ رشتہ مجھے اچھا لگ رہا ہے...... اور مجھے دل سے پسند آرہا ہے...... پتا نہیں کیوں...... لڑکے کی تصویر دیکھ کر ہی دل اس کی جانب کھنچا جارہا ہے...... یہ تصویر میں نے لڑکے کی فیس بک سے لی ہے...... کتنا اچھا لگ رہا ہے ناں......‘‘
’’وہ اس لیے کہ لڑکا ہے ہی خوب صورت......‘‘ فرح نے ہنس کر کہا۔ ’’خوب صورتی میں تو کشش ہوتی ہی ہے۔‘‘
’’یہ مت کہو...... بعض مرتبہ خوب صورت بھی خوب صورت دکھائی نہیں دیتا...... پتا نہیں کیوں...... جب سے یہ تصویر آئی ہے...... مجھے یہ لڑکا اپنا...... اپنا سا لگ رہا ہے۔‘‘
’’آپا...... آپ صبا کے مزاج سے واقف ہیں...... اور پھر بھی آپ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی فکر میں ہیں...... لڑکے کی اچھی تصویر کیا آگئی کہ آپ کا اس پر دل تک آگیا ہے...... جبکہ اس کی نخریلی ماں ایک دو مرتبہ فون کر کے ایسی خاموش ہوگئیں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔‘‘
’’ہاں...... پتا نہیں...... وہ اب تک آئیں کیوں نہیں......‘‘
’’تو پھر دفع کریں آپ، نہیں آتیں تو نہ آئیں...... ہماری بچی کے لیے کوئی رشتوں کی کمی ہے کیا......؟‘‘
’’تمہارے بہنوئی زندہ ہوتے...... تو مجھے واقعی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ مگر بیٹی کوئی بٹھانے کی چیز تھوڑی ہوتی ہے۔‘‘
’’آپا...... یہ بات تو آپ مانتی ہیں ناں...... کہ جلد بازی میں غلط سلط جگہ شادی کرنے سے بہتر ہے کہ سکون سے اچھی جگہ شادی کی جائے...... چاہے اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے۔‘‘
’’ہاں...... بالکل مانتی ہوں...... مگر اس سکون کا دورانیہ اتنا طویل نہیں ہونا چاہیے...... کہ شادی کا وقت ہی نکل جائے......‘‘
’’کوئی نہیں نکلا جارہا وقت......‘‘ فرح نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور ٹی وی کا ریموٹ گھمانے لگی کہ بڑی بہن کی بعض باتیں تو اس کا سر ہی گھما کر رکھ دیا کرتی تھیں اور...... وہ لاجواب سی ہوکر رہ جاتی تھی...... کہ آخر اس کی شادی کی عمر بھی...... تو ہر رشتے پر ناکرہ (منع کرنا) پھیرنے کے سبب نکل ہی گئی تھی۔

☆☆☆

آفس کے لنچ ٹائم میں...... آج ساجد بے وقوفانہ جوک سنا رہا تھا اور فرزانہ ہنسے چلی جارہی تھی۔ میں چپ چاپ چائے پی رہی تھی...... ہنسی تھی نہ مسکرائی تھی...... اور نہ ہی کچھ بولی تھی۔

’’لگتا ہے پرانے لطائف آج یہ بوری بھر کے لایا ہے۔ پچاس روپے کلو کے حساب سے۔‘‘ جاوید کسی کام سے باہر نکلا تو دھیرے سے کہتا ہوا گیا...... ہلکے سے ہلکے جوک چٹکلے بھی زیادہ گئے ہوں گے مگر فرزانہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ یہ بے وقوفانہ جوک بھی پہلے اس نے کبھی نہیں سنے تھے۔ وہ ہنس، ہنس کر پاگل سی ہو رہی تھی۔ ساجد...... جب بولتے بولتے رکا...... تو فرزانہ نے حیرت سے مجھے دیکھا اور بولی۔

’’کیا بات ہے، تمہیں ہنسی کی بات سن کر بھی ہنسی نہیں آتی؟‘‘

’’نہیں......‘‘

’’کیوں......؟‘‘

’’اس کی ایک وجہ ہے۔‘‘

’’بتاؤ گی نہیں......‘‘ وہ دلار سے بولی۔

’’اگر بتادی تو تم ناراض ہو جاؤ گی۔‘‘

’’پکا...... بالکل ناراض نہیں ہونے والی...... تم فرماؤ......‘‘

تب میں نے اپنی مسکراہٹ دبائی...... اور پھر اپنا پرس بھی اور دھیرے سے کہا۔ کہیں ساجد نہ سن لے......

’’فرو...... محبت کا یہی ویک پوائنٹ ہے کہ وہ گھٹیا بندے سے بھی ہو جاتی ہے...... تب اس کی ہر بات بڑی اعلیٰ لگا کرتی ہے...... حالانکہ وہ ہوتی نہیں...... جیسے آج کے یہ جوک......‘‘ جملہ مکمل کر کے میں نے بھاگنے میں دیر نہیں لگائی کہ مجھے پتا تھا کہ اب وہ بکتی جھکتی میرے پیچھے دوڑے گی۔

☆☆☆

’’کل اپنے ساتھ صرف کیک اور بوکے لے جانا...... مگر یہ کم لگ رہا ہے مجھے......‘‘ سلمیٰ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے بیٹی سے کہا۔

’’مگر اماں...... کل تو ہمارا...... صبا کے گھر پہلا وزٹ ہی تو ہے۔‘‘ سبین نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

’’تو کیا تمہارا خیال ہے...... میں پچاس چکر لگانے کے بعد وہاں رشتہ دوں گی...... تم نے اور ظفر نے اپنی تسلی کر لی ناں...... اور تمہارا بھائی اس معاملے میں بالکل ہی نہیں بول رہا ہے۔ تو کیا خیال ہے رشتہ بھی دے دیتے ہیں۔‘‘

’’نہیں اماں...... ایک ملاقات میں کسی کے بارے میں خاطر خواہ اندازہ نہیں ہوتا...... اگر لڑکی دیکھنے میں کچھ زیادہ ہی اچھی لگی تو بھائی جان کی تصویر دے دیں گے...... ورنہ ایسے ہی چکر لگا کر واپس آ جائیں گے۔‘‘

’’میں تو چاہ رہی تھی...... کہ ہم پہلی مرتبہ صبا کو دیکھنے جا رہے ہیں تو کوئی تحفہ اس کے لیے بھی لے جاتے۔‘‘

’’نہیں اماں...... اب ایسا بھی نہیں ہوتا...... بس ہم ایسے ہی جا رہے ہیں ناں...... اور بس......‘‘

’’مگر میں تو ایسے ہی کبھی کسی کے ہاں نہیں جایا کرتی......‘‘

’’پیاری اماں...... ہمیں اس اجنبی لڑکی کی نہ پسند معلوم ہے نہ اس کی عادت کے بارے میں جانتے ہیں...... تو ہم خواہ مخواہ ہی اس کے لیے گفٹ لے کر کیوں جائیں۔‘‘ سبین نے کچھ سوچ کر کہا۔

’’ہاں اماں...... سبین ٹھیک کہہ رہی ہے...... ابھی آپ تحائف کو رہنے ہی دیں......‘‘ ظفر نے بھی بیوی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

’’پتا نہیں تم دونوں کیسی باتیں کر رہے ہو، کیوں نہیں اچھا لگے گا اسے...... جو چیز محبت سے لے کر جاتے ہیں، اسے سب پسند کرتے ہیں...... اور یہ بات تو تم اس کے آفس کے عبداللہ صاحب سے بھی اچھی طرح معلوم کر چکے ہو کہ نہ تو اس کا کسی کے ساتھ کوئی چکر ہے اور نہ ہی وہ اس ٹائپ کی لڑکی ہے۔ پورے آفس میں سارے لڑکے اس

سے بات کرنے میں محتاط رہتے ہیں۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے...... مگر آپ کو پہلے آنٹی کو فون کر لینا چاہیے تھا کہ آپ ان کے ہاں...... ان کی لڑکی کی وجہ سے آنا چاہ رہی ہیں۔'' ظفر نے ساس سے کہا۔

''وہ تو میں نے کر لیا......'' اماں نے طمانیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''کیا مطلب......؟'' سبین نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''جب ہم معلومات کر رہے تھے...... تب میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے صبا کی ماں کو فون کیا...... تو انہوں نے بہ اصرار مجھے اپنے ہاں آنے کو کہا۔''

''تو کیا انہیں معلوم ہے کہ ہم کل کس مقصد کے تحت اُن کے ہاں جا رہے ہیں؟''

''ارے میرا بچہ...... آج کی مائیں بڑی سمجھدار ہیں...... اگر کوئی کنوارے لڑکے کی ماں کسی لڑکی والے کے ہاں جانا چاہتی ہے تو وہ بخوبی سمجھ جاتی ہیں۔''

''اگر نہ سمجھیں تو......؟'' ظفر نے پوچھا...... اور بیوی کی طرف دیکھا جو بڑی نا سمجھی سے ماں کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔

''بیٹا...... اگر ایسی بات نہ ہوتی...... تو ان کے بار، بار فون نہ آتے...... کہ آپ کب آ رہی ہیں ہمارے گھر؟''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے بھی...... بھائی جان کا پورا بائیو ڈیٹا معلوم کر لیا ہوگا۔'' سبین ہنسی۔

''بالکل...... اور کرنا بھی چاہیے تھا۔'' سلمیٰ بیگم نے کہا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان لوگوں کو ہمارے بھائی جان کا رشتہ قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔'' سبین نے کہا۔

''ہو سکتا ہے...... وہ یہ بھی کہہ دیں...... کہ آپ اپنے بیٹے کو ساتھ کیوں نہیں لائے......'' ظفر نے کہا تو سبین مسکرا کر بولی۔

''اب آپ یہ مت کہہ دیجیے گا کہ وہ نکاح خواں کی غیر موجودگی کا بھی نوٹس لے لیں گی۔''

☆☆☆

موسم بہت خوشگوار تھا...... بارش وقفے، وقفے سے ہو رہی تھی۔ سو موڈ بھی بڑا اچھا تھا...... میں اپنی دوست سے موبائل پر بات کرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی کہ خالہ نے ٹوکا۔

''ارے آج کہاں جا رہی ہو تم...... رکو گھر میں...... کام ہے تم سے۔''

''خالہ...... مجھے ضروری کام نمٹانے ہیں آج......'' موبائل پر ہاتھ رکھ کر میں نے دھیمے سے کہا۔

''اپنی سہیلی کو ٹال دو ناں آج...... کل وِل چلی جانا......''

''نہیں ٹال سکتی ناں......''

''اُفوہ...... تمہیں تو سمجھانا بھی دوبھر ہے۔'' خالہ کو غصہ ہی آ گیا تھا۔

''اچھا خالہ کل کا سارا دن آپ کے ساتھ...... سچی میں۔'' ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر میں نے کہا۔

''ارے بھئی...... تم اپنے مزاج کے حساب سے چلتی ہو، تمہیں دوسرے کی بھلا کیا پروا......''

''سچی میں...... کل بالکل پورا دن آپ کے ساتھ...... کل کا سنڈے...... برباد کرنے کے لیے پکا پکا......'' اور خالہ ہنس دیں...... مگر اپنی بات پر اڑی رہیں...... جس پر مجھے حیرت بھی تھی۔ خالہ سے نمٹ کر امی کو سلام اور خدا حافظ کرتے ہوئے میں نے قدم باہر ہی نکالا تھا کہ وہ مجھے جاتے دیکھ کر چونکنا سی ہو گئیں۔

''صبو...... بیٹا......'' سبزی بنانے کا من پسند کام روک کر بولیں۔
''جی امی......'' میں نے تابعداری سے کہا۔
''صبو بیٹا......'' لہجے میں شیرینی گھول کر پھر پکارا گیا۔
''جی امی جی......'' میں نے پھر کہا۔
''صبو...... میں سوچ رہی ہوں......'' وہ پھر رک کر مجھے دیکھنے لگیں۔
''جی امی...... جلدی کہیے ناں...... مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اب کے میں نے لاڈ سے کہا۔
''آج اگر نہ جاؤ تو......؟''
''مجھے زارا کے ساتھ اپنا سی وی دینے کہیں جانا ہے اور دو چار کام اور نمٹانے ہیں۔''
''اچھا...... اگر آج جلدی آجاؤ تو......؟''
''آج کیا خاص بات ہے؟'' میں نے پلٹ کر پوچھا تھا۔
''تمہارے لیے سرپرائز ہے۔'' وہ ہنسیں۔
''مگر مجھے سرپرائز اچھے نہیں لگتے۔''
''یہ اچھا لگے گا۔'' باور کرایا گیا۔
''سوری صد امید نہیں ہے کہ میں جلد آسکوں گی...... اور اگر نہ آسکی تو آپ فرح خالہ کے ساتھ مال چلی جایئے گا۔'' اور میں اپنی بات کہہ کر اتنی تیزی سے نکل گئی تھی کہ ان کا جواب تک نہیں سنا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ انہیں ایک بڑی برانڈ کے اسٹور میں لگی سیل سے چادریں لینی تھیں...... اور دوسرے ڈیزائنرز ٹاپ کی سیل سے کرتے وغیرہ...... اس طرح کی شاپنگ کرنے میں، میں بور...... مگر امی اور فرح خالہ دونوں بڑا انجوائے کیا کرتی تھیں۔
اور آج قدرے دیر سے گھر جاتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ گھر جا کر کڑک سی چائے پی کر اپنے کمرے میں آرام کروں گی مگر باہر گیٹ کے عین سامنے ایک اجنبی سی گاڑی پارک دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔
''یہ آج ہمارے گھر کون آیا ہے؟''
''مہمان تمہارا انتظار کر رہے ہیں...... چینج کر کے آجانا۔'' اندر گئی تو فرح خالہ نے بڑی راز داری سے کہا۔
مگر میں اسی حلیے میں اندر چلی گئی۔
''اچھا تو یہ ہیں صبا......'' مہمان خاتون کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔
میں نے سوالیہ نظروں سے امی کو دیکھا۔ امی نے ان سب کا تعارف مجھ سے کرانے کے بعد کہا۔
''بیٹا آج یہ لوگ بطورِ خاص تم سے ملنے آئے ہیں۔''
اب میری نظر ان ظفر صاحب پر تھیں جو مجھے بغور دیکھ رہے تھے...... مجھے ان کی شکل جانی پہچانی سی لگی۔
''آپ کو شاید میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔''
''جی ہاں...... وہ اس لیے کہ میرا اور آپ کا آفس ایک ہی بلڈنگ میں ہے۔'' ظفر صاحب متبسم لہجے میں بولے۔ ''میں آپ کے پروڈکشن ہاؤس کی بات کر رہا ہوں۔''
''جی، وہ میرا آفس تھا مگر اب نہیں......''
''مگر میں نے تو آپ کو چند دن پہلے بھی وہاں دیکھا تھا...... بڑا اچھا سا پروڈکشن ہاؤس ہے وہ...... اور......''
''میں نے کہا ناں کہ میں وہ چھوڑ چکی ہوں......'' میں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
''مگر کیوں......؟'' بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

''یہ میرا پرسنل میٹر ہے......'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے اب آپ کہیں جاب نہیں کر رہی ہیں......'' ان کے ساتھ آئی ہوئی خاتون جن کا نام سبین بتایا گیا تھا اب براہِ راست مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

''میں نے ایک اخبار جوائن کیا ہے......مگر شاید میں کسی پروڈکشن ہاؤس میں چلی جاؤں...... یہاں دراصل میرا دل نہیں لگ رہا ہے۔''

''اور کیا مشاغل ہیں آپ کے؟''

''کچھ بھی نہیں......گھر میں بور ہوتی ہوں تو خوب سوتی ہوں۔''

''کوکنگ سے کچھ دلچسپی؟''

''بالکل بھی نہیں......کچن میں جا کر تو مجھے ڈپریشن سا ہوتا ہے۔ اب فرح خالہ مجھے کڑک سی چائے بنا کر دیں گی......تو میں سوؤں گی۔''

''ذرا بھی بناوٹ نہیں ہے، جو بات دل میں ہو......وہی کرنے کی عادی ہیں آپ۔'' اب وہ لڑکی ستائشی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ہاں، میں ایسی ہی ہو مگر عموماً ایسی عادتیں پسند نہیں کی جاتیں۔'' یہ کہہ کر میں کمرے سے باہر آگئی۔

''صبو پلیز بات چیت میں ذرا نرم رویہ رکھنا......'' فرح خالہ نے باہر آ کر مجھے سمجھایا تھا مگر اندر جاتے ہی میں ان کی بات بھول گئی تھی۔

''کیوں آئے ہیں یہ لوگ......؟'' میرا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''رشتہ مانگنے......''

’’میرا رشتہ لینے کیوں آئے ہیں۔‘‘ میں ایک دم ہی ہتھے سے اکھڑ گئی۔
’’لڑکیوں کے کیا رشتے نہیں آتے......؟‘‘ فرح خالہ مجھے سمجھا رہی تھیں۔
’’مگر میرا کیوں لائی ہیں؟‘‘ میرے لہجے میں ہنوز تناؤ تھا۔
’’وہ اس لیے کہ میرا رشتہ تو آنے سے رہا اس پکی عمر میں...... اب تمہارا ہی آئے گا، چاہے وہ کہیں سے بھی آئے۔ اور یہ لڑکا بظاہر تو اچھا ہی دکھائی دے رہا ہے۔‘‘
’’آپ جا کر منع کر دیں......‘‘ میں نے کہا۔ اور چائے کا کپ لے کر وہیں لاؤنج میں چلی گئی...... جہاں میری ایک دوست کا ڈائریکٹ کیا ہوا ڈراما ایک چینل پر آرہا تھا۔
میں ڈراما دیکھنے میں محو تھی...... کہ اچانک ہی کیبل کی لائٹ چلی گئی۔ ٹی وی بند کیا...... تو اب امی کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔
’’آپ اپنے بیٹے کی تصویر چھوڑ جائیں...... میں صبا سے بات کر کے آپ کو جواب دوں گی۔‘‘
’’ہمارے بھائی نے تو ہم پر چھوڑ دیا ہے...... وہ تو فون پر بات کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔‘‘
’’تو میں کون سی تیار ہوں۔‘‘ میں نے کمرے میں جا کر کہا۔
’’کیا مطلب......؟‘‘ سبین نے حیرت سے کہا۔
’’پلیز...... آپ لوگ اپنا ٹائم ضائع نہ کریں...... کہ میں کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔‘‘
’’ارے بیٹا...... ہم تو بہت محبت سے آئے ہیں...... تم بات کرنا چاہو تو بات کر سکتی ہو......‘‘ ان کی والدہ نے تصویر کا لفافہ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔
’’آنٹی آپ سو فیصد ٹھیک کہہ رہی ہوں گی...... مگر مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کے بیٹے سے بات کروں......‘‘ میں نے لفافہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
’’اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے بھی اپنی شادی کے تمام معاملات اپنی ماں کے سپرد کر کے رکھے ہیں، ہمارے بیٹے کی طرح۔‘‘
’’نہیں، یہ بات نہیں ہے۔‘‘ میں کہنے کو رکی۔
امی نے مجھے گھورا...... اور فرح خالہ نے ہاتھ دبایا۔
’’آنٹی میری منگنی ہو چکی ہے۔‘‘ میں نے برملا کہہ دیا۔
’’کیا......؟‘‘ اب وہ حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔
’’ہاں...... میری بچپن میں ایسی زوردار منگنی ہوئی تھی...... کہ آج بھی ایسی کسی کی نہیں ہوا کرتی ہو گی۔‘‘
’’اوہ...... تو تم انگیجڈ ہو؟‘‘ انہوں نے حیرت سے امی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
’’بچپن کی منگنی تھی...... کب کی ختم ہو چکی۔‘‘ امی نے دھیمے لہجے میں آواز بلند کی۔
’’اوہ تو پھر کیا ہوا...... آج کل تو نکاح ٹوٹ جاتے ہیں۔‘‘ اب ظفر صاحب اپنی بیوی سے کہہ رہے تھے۔ اور میں ایک ٹرانس کی صورت میں کہہ رہی تھی جیسے کسی روبوٹ کا بٹن دبا دیا ہو۔
’’بات زبان کی ہوتی ہے......‘‘ بات دل کی ہوتی ہے...... اور وعدے اس لیے، نہیں کیے جاتے کہ انہیں...... ایفا نہ کیا جائے اور جب جانے والے نے کہا تھا کہ وہ آئے گا...... تو وہ آئے گا...... ہاں ضرور آئے گا...... ایسی صورت میں...... میں انگوٹھی کے دائرے سے کیسے نکل سکتی ہوں۔‘‘
’’کیا تم منگنی کی قیدی ہو......؟‘‘ سبین کا لہجہ بھی تمسخرانہ تھا۔

''آپ جو دل چاہے سمجھ سکتی ہیں۔ میرا جب شادی کا وقت آئے گا...... تو ہو جائے گی۔''

''اوہ تو یہ بات ہے......'' ان کے لہجے سے آہ بلند ہوئی تھی...... اور وہ مجھے ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''اٹھیے اماں...... ہمیں نہیں معلوم تھا یہاں بھی کسی پروڈکشن ہاؤس کے ڈرامے چل رہے ہیں۔'' سبین کا لہجہ خاص سفاکانہ تھا۔

تب میں سرعت سے وہاں سے نکلی...... اور سیدھی اپنے بیڈ روم میں جا گھسی جہاں اپنے تکیے میں اپنا منہ چھپا کر اپنے دل کی بھڑاس بھی نکالنی تھی۔

''کتنی بدتمیز لڑکی تھی...... وہ صبا...... کیسے اکھڑ لہجے میں منع کر دیا اس نے، کوئی ایسے کہا کرتا ہے بھلا...... گھر آئے مہمانوں کا تک کچھ خیال نہیں۔'' سلمیٰ بیگم گھر آ کر برہمی کا اظہار کر رہی تھیں۔

''مجھے تو ابنارمل سی لڑکی لگی وہ...... کیسے غصے سے کمرے میں داخل ہو کر اپنی ماں کو منع کر رہی تھی...... ارے جب منگنی کر کے لوگ بھاگ گئے...... تو کوئی نہ کوئی تو وجہ ہوگی ہی ناں...... توبہ ہے جا کر خوار ہی ہوئے۔'' سبین بول رہی تھی بلکہ ظفر کو خوب سنا رہی تھی۔

''میں نے تو آفس میں ہر شخص سے پوچھا تھا کہ اس لڑکی کی کسی سے کوئی منگنی کوئی چکر ہے تو بتا دو...... تو سب نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا اس لڑکی کے لیے ایسی بات کوئی کر ہی نہیں سکتا......'' ظفر الگ روہانسا ہو کر صفائیاں پیش کر رہا تھا۔

''ظاہر ہے اگر نارمل لڑکی ہوتی تو اتنی خوب صورت ہونے کے باوجود ابھی تک کنواری تو نہ ہوتی۔'' سلمیٰ بیگم کا غصہ ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔

''مجھے تو پورا گھرانا ہی سائیکی لگ رہا تھا...... ارے بھئی...... جب تمہاری لڑکی کی شادی کی خواہش مند ہی نہیں ہے...... تو لوگوں کو خود ہی منع کر دو...... مگر وہ تو ہم سے کھیل رہی تھیں...... کہ مشورہ کر کے جواب دیں گی...... اور کئی مہینے ہمارا صبر آزمانے کے بعد ٹکا سا جواب دے دیتیں۔'' سبین کو وہاں کی ہر بات پر تاؤ آ رہا تھا۔

''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں وہاں چلی کیوں گئی۔'' سلمیٰ بیگم اب اپنے وہ تحائف بڑی بے رغبتی سے الماری میں پھینک رہی تھیں...... جنہیں وہ بڑی محبت سے اپنے ساتھ بیگ میں رکھ کر لے گئی تھیں۔ حالانکہ بیٹی نے منع بھی کیا تھا۔

☆☆☆

''دیکھا آپا...... صبو نے اس دفعہ بھی وہی کیا...... جو وہ چاہتی ہے۔'' فرح خالہ نے غصے سے کہا۔

''گھر آئے مہمانوں کے ساتھ کوئی اس طرح کیا کرتا ہے...... جبکہ پتا بھی ہے۔ بچپن کی منگنی کا کوئی نام نشان تک نہیں ہے۔ پانچ سال پہلے جب معلوم ہوا تھا عامر امریکا میں ورجینا میں ہے مگر جب معلومات کروائی گئی تو وہ ورجینا چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا تھا۔''

''فرح جسے شادی کرنی ہو تو وہ رابطے میں رہتا ہے...... اور جب کوئی کسی قسم کا تعلق ہی نہیں رکھے تو اس کا انتظار کرنا تو پاگل پن ہی ہے ناں......''

''تو پھر یہ صبو یہ سب کیوں کر رہی ہے؟''

''سارے پاگل میرے ہی حصے میں تو آئے ہیں...... مگر اب تم ان لوگوں سے متعلق کوئی بات بھی اس کے سامنے نہ کرنا...... ورنہ وہ خواہ مخواہ چڑ جائے گی۔'' شہناز نے سمجھایا۔

مگر فرح خالہ دکھ بھرے لہجے میں بڑبڑا رہی تھیں۔

☆☆☆

اور میں لاؤنج میں بیٹھی ان کی باتیں سن کر کانٹوں پر چل، چل کر لہولہان ہو رہی تھیں۔

امی کو بار ہا منع کیا تھا...... کہ وہ میری شادی کے لیے پریشان نہ ہوں اگر وہ میری قسمت میں ہوا تو وہ ضرور واپس آئے گا مگر وہ گاہے بہ گاہے کسی نہ کسی کو رشتے کے روپ میں بلا لیا کرتی تھیں...... اور تب میری یادوں کے زخم ہرے سے ہو جاتے تھے......

وہ میری ذہنی حالت سے باخبر ہوتے ہوئے جانے کیوں وہ سب کر لیا کرتی تھیں...... جس سے میں بے حد دکھی سی ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

وہ واقعی دکھی سی ہو گئی تھیں۔ کتنے عرصے بعد کوئی لڑکی انہیں دل سے پسند آئی تھی اور اس نے کہہ دیا کہ وہ تو کسی کی منتظر ہے...... اور منتظر بھی ایسے شخص کی...... جس کے آنے کی امید خود اس کے گھر والوں کو نہیں تھی۔

''کیا بات ہے، سب بڑے خاموش سے ہیں......'' وہ باہر سے آیا تو اماں کے ساتھ بڑی بہن، بہنوئی کو یک دم خاموش بیٹھا دیکھ کر متحیر سا ہوا۔

''نہیں کوئی بات نہیں ہے۔'' سبین آپا کا لہجہ بھی خاصا مغموم سا تھا۔

''کوئی خاص بات ہے کیا کل بھی سب خاموش تھے اور آج بھی سب خاموش ہیں۔''

''نہیں بھائی...... بس اپنی معلومات پر افسوس ہو رہا ہے۔''

''کیسی معلومات......؟''

''ایک لڑکی اچھی دکھائی دی...... تو اس کے گھر چلے گئے۔''

''اور گھر جا کر پتا چلا کہ وہ شادی شدہ تھی۔'' اس نے جملہ مکمل کر دیا۔

''نہیں بھائی...... ایسی بات نہیں تھی۔'' سبین نے پہلی مرتبہ منہ کھولا۔

''وہ شاید سائیکی تھی۔''

''تو جب آپ جانے بوجھے بغیر ہر گھر میں جانے کو تیار ہو جاتی ہیں...... تو ایسا ہی ہونا تھا۔''

''اس کے گھر والے تو بہت اچھے تھے...... مگر وہی ٹیڑھی سی تھی۔''

''قصور اس کا نہیں آپ کا ہے۔''

''مگر ان کی ماں نے ہمیں بلایا ہی کیوں...... قصور وار تو ان کی ماں ہوئی ناں......'' سبین نے کہا۔

''ہر ماں کے لیے اس کی بیٹی میں خوبیاں ہی ہوا کرتی ہیں۔''

''مگر ہم تو جا کر زچ ہی ہوئے۔''

''چلیں اچھا ہے، اب کچھ عرصے میرا پیچھا چھوڑیں...... اور اگر زیادہ ہی شوق آ رہا ہے تو ہنی کے لیے لڑکی دیکھنا شروع کر دیں۔'' اس نے کہا اور موبائل پر کال آتی دیکھ کر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆

''صبا یہ روٹیاں ہاٹ پاٹ میں واپس کیوں رکھ دی ہیں تم نے؟'' امی تفکر بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''بھوک نہیں ہے مجھے۔'' پانی پی کر ...... میں بے وجہ ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی تھی اور بظاہر بڑی رغبت سے ٹی وی بھی دیکھ رہی تھی مگر ٹی وی پر کیا آ رہا تھا مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔ ہر چینل پر جگمگاتی شب کسی تاریک رات کی شکل اختیار کرتی نظر آ رہی تھی۔

سلمیٰ بیگم کی باتیں عجیب دھار والے لہجے میں مجھے کچوکے دے رہی تھیں۔ ''تم جیسی لڑکی کو منحوس کہتے ہیں جس

سے ناتا جوڑ کر کوئی بھاگ جائے اور پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھے......اس کی اوقات دو کوڑی کی بھی نہیں ہوتی ہے۔''
وہ تو گھر جا کر شکر کر رہی ہوں گی......کہ کس سیاہ بخت لڑکی کے گھر وہ چلی گئی تھیں......جو اتنی بدنصیب ہے کہ زندگی کے ہر محاذ پر سب کچھ اچھا ہوتے ہوتے اچانک ہی برا ہو جاتا ہے۔
اب میں اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے یہ سب بلاوجہ سوچے جا رہی تھی۔ ٹی وی پر کسی کردار نے ایک زوردار تھپڑ کسی کو مارا......اور مجھے یوں لگا جیسے وہ تھپڑ میرے لگا ہو اور پھر میں بلاوجہ ہاتھوں کے ناخن کترنے لگی۔......جیسے اپنی کھسیاہٹ چھپا رہی ہوں۔
''صبا بیٹا......اپنی جاب تم نے خود چھوڑ دی ہے......کوئی نکالی تو نہیں گئی تھیں؟'' امی نے میرے قریب بیٹھ کر میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔
''ہاں......میں نے اپنی جاب خود چھوڑی ہے۔'' میری آواز ایسی تھی جیسے کسی روبوٹ میں سے آ رہی ہو......''تو پھر اس کا اتنا غم کیوں منا رہی ہو۔'' اب وہ میرے ہاتھوں کو ملائمت سے تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
یہ ان کی چاہت کا بڑا خوب صورت انداز ہوا کرتا تھا......اور مجھے یوں لگا کرتا......جیسے وہ میرے ہاتھوں سے میری تمام پریشانیاں اپنے ہاتھوں میں منتقل کر رہی ہوں۔
''امی......پر دکھ تو مجھے ہے ناں......'' اب میں نے اپنا سر ان کے شانے سے لگا یا دیا تھا......اور آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر باہر آ چکے تھے۔
''میری اتنی ٹیلنٹڈ بیٹی ہے......اس کے لیے جاب کی کیا کمی......اور موجودہ جاب تو یقیناً پہلے سے بھی بہتر ہوگی۔''
آس کے دیے روشن کرنے میں تو وہ ہمیشہ کی ماہر تھیں......کوئی بات، کوئی مسئلہ کتنا ہی ٹیڑھا اور کیسا ہی تلخ کیوں نہ ہو......وہ اس میں سے مثبت سرا ڈھونڈ ہی لیا کرتی تھیں۔
''امی......مجھے اپنی پرانی والی جاب یاد آ رہی ہے......'' اب میں اس بچے کی طرح رو رہی تھی......جس کے ہاتھوں سے کسی نے اس کا من پسند کھلونا چھین لیا ہو۔
میری آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر وہ بے کل سی ہو گئیں اور اپنی ہتھیلیوں میں آنسو سمیٹ کر بولیں۔
''اتنی خوب صورت آنکھوں میں آنسو ذرا اچھے نہیں لگتے۔''
''آنکھوں میں تو آنسو ہی آیا کرتے ہیں۔'' روتے ہوئے مجھے ان کی بات عجیب سی لگی۔
''نہیں میری گڑیا......ہنستی ہوئی آنکھیں سب سے زیادہ خوب صورت ہوتی ہیں......اور میری یہ دعا ہے کہ تمہارے لبوں کے ساتھ تمہاری آنکھیں بھی ہنستی رہیں۔ ہاں خبردار......اب جو تم روئیں۔''
''جب کچھ اچھا نہیں لگتا......تو رونے کو ہی تو دل چاہتا ہے ناں۔''
''میری شہزادی جو ہوتا ہے......وہ ہمیشہ اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ جب میں پریشان نہیں ہوں......تو میری بیٹی کیوں پریشان ہو رہی ہے۔'' اب امی کی انگلیاں میرے بالوں سے ہوتے ہوئے سر پر اس طرح گھوم رہی تھیں کہ مجھے واقعی آسودگی سی محسوس ہونے لگی۔
میں نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر صوفے کی پشت پر رکھ لیا۔
اب وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں قرآنی آیات پڑھ کر میری پیشانی پر دم بھی کر رہی تھیں......انہوں نے ان لوگوں کا ذکر تو کیا کوئی حوالہ تک نہیں دیا تھا......جیسے ہمارے گھر کوئی آیا ہی نہ ہو......اب وہ ہلکے، ہلکے میرے سر کا مساج کر رہی تھیں......اور میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں......مگر وہ منظر بہت روشن سا مجھے نظر آ رہا تھا......جب

عامر خانزادہ نے ڈھیر سارے گلابی گلاب دیتے ہوئے کہا تھا۔
''دیکھو...... جیسا تمہارا رنگ ہے، ان گلابوں کا رنگ بھی ایک دم ویسا ہی ہے۔''
''اچھا تو تم یہ کہنا چاہتے ہو...... میں نے ان پھولوں کا رنگ چوری کیا ہے......'' ایک معصوم سی بچی کی سوچ یہی ہو سکتی تھی۔
''نہیں تم نے نہیں...... بلکہ ان پھولوں نے تمہاری نقل کی ہے۔'' وہ ہنسا تھا...... اور اس کی یہ بات مجھے بہت اچھی لگی تھی۔
پھر جب وہ آٹھویں کلاس کی کتابوں کا بیگ میرے لیے لایا تو میں نے حیرت سے پوچھا تھا۔
''میں تو پانچویں جماعت کا امتحان پاس کر کے چھٹی جماعت میں جاؤں گی...... یہ آٹھویں جماعت کی کتابوں کا میں کیا کروں گی؟'' تو وہ بڑی سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔
''امی کہہ رہی ہیں...... صبا جب پڑھ لے گی...... تو وہ اسے بیاہ لائیں گی...... تو تمہیں جلدی، جلدی پڑھنا ہوگا۔''
''کیا تم بھی ایک سال میں دو کلاسیں پاس کیا کرو گے؟'' میں نے حیرت کے ساتھ ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔
''ہاں، بالکل...... اور میرا بس چلے تو اس سے بھی تیز......'' اور میں اس بات پر کتنا ہنسی تھی...... کہ ہنستے، ہنستے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
آنسو شاید...... میری آنکھوں میں ہی ٹھہر گئے تھے...... اور اب پھسل کر گالوں پر آئے...... تو ہڑ بڑا کر میں نے آنکھیں کھولیں۔
میں کتنی دیر سوتی رہی تھی...... اور امی سامنے صوفے پر کھانے کی ٹرے لیے بیٹھی تھیں...... کہ کب میری آنکھ کھلے...... اور وہ مجھے کھانا دیں۔
''آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں...... یہ تو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے......'' میں نے انہیں اپنی جانب بغور دیکھتے پا کر پوچھا۔
''تم نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے...... تم بھوکی بیٹھی رہو...... بھلا میں کیسے کچھ کھا سکتی ہوں۔'' وہ میرے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے بولیں۔
میں نے چونک کر انہیں دیکھا...... ان کے چہرے کی بے چینی کسی صورت کم نہیں ہو رہی تھی...... ان کا یہ ملال کہ میں بھوکی ہوں...... ان کے چہرے سے عیاں تھا۔
''میں آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گی...... بھوک بھی بہت لگ رہی ہے...... پتا نہیں کیسے میری آنکھ لگ گئی۔''
ان کی خوشی کی خاطر...... میں نے نارمل انداز میں کہا اور وہ خوش ہو گئیں۔
''کریلے قیمہ اچھا ہے ناں......'' انہوں نے اپنے ہاتھ سے نوالہ بنا کر میرے منہ میں رکھا۔
''بہت مزے کا ہے...... کل آفس میں بھی لنچ کے لیے دیجیے گا...... میں یہی لے کر جاؤں گی۔''
''میں نے پہلے ہی رکھ دیا ہے۔ بس تم خوش رہا کرو...... کوئی فکر اور پریشانی جھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔''
''پریشانی تو خود چل کر آئی...... میری سہیلی صادقہ نے کیوں میرے ساتھ سیاسی گیم کھیلا۔''
''بیٹا...... سیاست تو اب ہر ادارے میں گھس آئی ہے...... دوسروں کے خیر خواہ اب کم، کم ہی نظر آتے ہیں...... سب کو اپنا مفاد اس لیے عزیز رہنے لگا ہے کہ وہ بھول گئے ہیں کہ سب کا رازق صرف اللہ ہے اور اس کے خزانے میں کبھی کمی نہیں آتی...... اور صادقہ جیسے لوگ تو ہر جگہ ہیں...... اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت ہی

نہیں ہے۔ کسی کو گرا کر آگے بڑھنے والے...... خود بھی گر جایا کرتے ہیں۔''
''مگر یہ سب کچھ میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے...... کہ ٹرین کا ڈبا میرا ہی کیوں کٹ جاتا ہے......'' اب مجھے اپنے بچپن کی باتیں پھر زور شور سے یاد آرہی تھیں...... کہ کیسے، کیسے خوب صورت وعدے تک ایفا نہیں کیے گئے تھے...... کلاس میں فرسٹ میں آتی مگر ٹیچرز پرنسپل کی بیٹی کو ہمیشہ فرسٹ کی رپورٹ دیتیں۔
''اب پرانی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دو...... کہ رات گئی بات گئی......''
''امی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں وہ لڑکی ہوں...... جس کا کوئی ماضی ہے ہی نہیں۔''
''بیٹا ماضی میں جینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کرتا......''
''مگر...... ماضی...... زندگی کے ساتھ تو چلتا ہے ناں......'' میں نے منطق جھاڑی۔
''نہیں چلتا...... بری باتوں اور بری یادوں کو آگ لگا دینی چاہیے۔'' امی نے پھر نوالہ بنا کر...... اپنے منہ میں رکھنے کے بجائے میرے منہ میں رکھ دیا۔ اور میرے حلق میں آگ سی لگ گئی۔ کتنے ہی پانی کے گلاس چڑھا گئی...... مگر جلن بدستور تھی۔
''میری بچی...... تم یہ کیوں بھول جاتی ہو...... کہ جرنلزم میں تم نے ٹاپ کیا تھا...... ڈیپارٹمنٹ میں کوئی تمہارے مقابلے کا نہ تھا...... اب تم جس اخبار میں جاب کررہی ہو...... یہاں تمہیں لکھنے کے مواقع بھی زیادہ ملیں گے...... اور تم ترقی بھی خوب کروگی۔ دیکھ لینا...... میری بات ضرور پوری ہوگی۔''
''مگر امی...... یہاں میرا دل ہی نہیں لگ رہا ہے...... ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی نالائق اسکول میں آگئی ہوں ایسا اسکول جہاں کے شرارتی اور بدتمیز بچے بھی ایک دوسرے پر الزام دھرتے رہتے ہوں اور اساتذہ بھی اپنی آئی دوسروں پر ڈالتے رہتے ہوں تو وہاں پر میرا دل کیسے لگ سکتا ہے۔''
''بیٹا...... نئی جگہ دل مشکل سے ضرور لگتا ہے...... مگر لگ جاتا ہے...... یہاں کا ماحول اچھا بھی ہوجائے گا اور اس شور شرابے کی تم بھی عادی ہوجاؤ گی۔'' وہ مجھے تسلی دیتیں...... مگر میری سوچیں...... کسی پل مجھے چین نہ لینے دیتیں...... اور اس کی ایک بڑی وجہ میری موجودہ جاب بھی تھی۔
اخبار کی ہڑبونگ سی حالت دیکھ کر...... مجھے اتنا اندازہ تو ہو رہا تھا کہ یہ اخبار کبھی اپنے پیروں پر چلنے کے قابل نہیں ہوگا...... مجھ سمیت سب ہی اپنا وقت گزار رہے تھے مگر میں یہ بھی سوچا کرتی...... کہ اس سے کم درجے اور بہت معیار کے اخبار بھی اٹھ کھڑے ہونے میں کوئی وقت نہیں لگا پاتے...... تو یہ بھی اٹھے گا تو ضرور...... زندگی بس عجیب سی چل رہی تھی...... پنجاب سے واپس آنے کے بعد میرا یہاں کراچی میں دل نہیں لگ رہا تھا...... نہ گھر میں، نہ جاب میں۔
''صبو جب تم پنجاب میں تھیں...... تو تمہارا وہاں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اور بس نہیں چل رہا تھا کہ کراچی ہی آجاؤ......'' خالہ نے کہا۔
''ہاں...... مجھے واقعی ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے کوئی آوازیں دے، دے کر بلا رہا تھا کہ آجاؤ...... کہ انکھیاں اڈیکدیاں......''
''ارے بیٹا...... خوابوں میں رہنا چھوڑ دو...... آج کل تو خون کے رشتے کسی کو یاد نہیں کیا کرتے...... تو پھر غیر کیوں کسی سے محبت کریں گے۔'' فرح خالہ کا لہجہ خاصا تلخ تھا...... اور وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھیں میں بخوبی سمجھ رہی تھی۔
''آپ تو یہ بھی کہتی ہیں کہ اب شادی کے بندھن بھی مضبوط نہیں ہوا کرتے......'' میں نے ان کی بات ہنسی میں اڑائی...... کہ اپنے خوابوں کے کچلنے والوں کو کچھ تو کہوں۔
''ہاں...... ہر ایک کے لیے نہیں ہوتے......'' ان کا لہجہ شاید اس لیے بھی وثوق بھرا تھا کہ ان کی دو قریبی

سہیلیوں کو طلاق کے وار سہنے پڑے تھے۔
''پیاری خالہ! اگر مفروضوں پر یقین کرنا شروع کر دیں تو زندگی کٹھن ترین ہو جائے گی۔ اس لیے کسی کی کوئی سچی بات...... کوئی پیارا سا وعدہ بھی بڑا پکا ہوا کرتا ہے۔'' میں نے اپنے ہاتھ میں پڑے کنگن کو گھماتے ہوئے کہا۔
''صبو بیٹا...... ! اب تو ارمانوں کے رنگ کچے ہیں...... وعدے، قسمیں، سب کب کے اڑن چھو ہو چکے ہیں...... آج کے لڑکے شادی کے نام پر بھی اچھے پیکج کے ساتھ بیوی کا حصول چاہتے ہیں...... ظاہر داری ان دنوں ان ہے...... اور تم پرانی باتوں کو پکڑے بیٹھی ہو۔'' میری بات سن کر فرح خالہ ہنس پڑی تھیں اور بڑے عجیب سے لہجے میں بولیں۔
''کیا مطلب ہے آپ کا...... کیا اب خوشی کا کوئی رنگ نہیں رہا......'' میں روہانسی سی ہو گی۔
''خوشی کا رنگ ضرور ہے...... مگر یہ صرف اس وقت نظر آتا ہے جب یہ آپ کے پاس ہے...... مٹھی میں جو ہے وہ آپ کا...... ورنہ آپ کا ہاتھ خالی......''
''اوہ...... تو یہ بات ہے......'' میری آواز مجھے خود تک کو سنائی نہیں دی۔
''بیٹا...... جب خوشی روٹھ جائے تو وہ خوشی ہی کہاں رہی۔'' فرح خالہ کو بھی دل جلانے کے شاید سارے ہی طریقے ازبر تھے۔
''کیسی خالہ ہیں آپ؟ اپنے آپ کو میرا بیسٹ فرینڈ بھی کہتی ہیں...... مجال ہے کہ کبھی مجھے ذرا جو خوش ہونے دیں۔'' میرا سسکتا سا لہجہ شکایتی ہو جاتا۔
''صبو بیٹا...... ہمیشہ دماغ سے سوچا کرو...... دل سے سوچنے والے ہمیشہ نقصان اٹھایا کرتے ہیں۔''
''اللہ نہ کرے...... میرے ساتھ ایسا کچھ ہو......'' میں دکھ بھرے لہجے میں کہتی۔
''بیٹا تم یہ چاہتی ہو...... کہ میں ان پودوں میں بھی پھول کھلنے کی تمہیں خوش خبری سناؤں جو نہ صرف جل چکے ہیں...... بلکہ وہ نکال کر کچرے میں ڈالنے کے قابل ہیں۔'' میں ان کی بات پر بس انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''تو کتنا قابل ہے...... یہ تو میں جانتا ہوں مگر تو ماننا ذرا مشکل سے ہے۔ یہ بھی مجھے پتا ہے۔'' فرید صاحب اپنے موبائل سے لگاتار میسجز کیے جا رہے تھے مگر ان کے کسی میسج کا کوئی جواب نہ پا کر تمسخر سے خود ہی ہنسے اور بڑبڑائے۔
''کب تک...... آخر کب تک...... دیکھتا ہوں...... میں بھی...... ہاں اپنے چھوٹے بھائی کی تو بہت سنتا ہے ناں، اس سے بھی کہوں گا۔''
دوسری طرف وہ بے نیاز شخصیت تکیہ اپنے چہرے پر رکھے بے خبر سونے میں مصروف تھی۔ اور فرید کا ملال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس کا یہ خواب تھا کہ اس کا اخبار اپنی جگہ بنا لے...... جو بات لوگوں کے دلوں میں ہو...... وہ اس کے اخبار میں نظر آئے...... مگر وہ تو ذرا بھی کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔
سچ بولنا کتنا مشکل ہوا کرتا ہے، یہ بات اسے یہاں آ کر پتا چلی تھی۔ اس کے اپنے بھائی کتنی بار اسے یہ مشورہ دے چکے تھے کہ یہ اخبار بند کر کے ان کی طرح کوئی پیٹرول پمپ کھول لے۔
''میں تو آگ بجھانا چاہتا ہوں...... اپنے اخبار کے ذریعے سے...... بزنس میں نہیں کر سکتا...... میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے کھولتے ذہنوں کو ٹھنڈا رکھوں۔''
''فرید بھائی، ٹھنڈی ٹھار تو بوتلیں ہوا کرتی ہیں...... اخبار نہیں اور اگر اخبار ٹھنڈے نکلنا شروع ہو گئے...... تو ان کی جگہ ردی ہوا کرتی ہے...... ان کو کوئی پڑھے گا بھی نہیں......'' قہقہوں کے شور میں مشورے دیے جاتے۔

''کرنا تو کچھ ہے ہی...... چاہے کچھ بھی ہو۔'' مارے غصے کے اس نے اپنے دائیں ہاتھ کا مکا دوسرے ہاتھ پر مارا...... اور موبائل جیب میں ڈالا اور باہر نکل گیا۔ اس وقت وہ بینک جا رہا تھا۔ بینک منیجر سے مشورہ کرنے......

☆☆☆

''اللہ...... آج تو بہت دیر ہوگئی ہے......'' شہلا اسکول سے باہر نکلی تو اسے احساس ہوا۔

وہ شہر کے ایک بڑے اسکول میں کیشئر کلرک تھی...... مہینے کی شروع کی تاریخوں میں اسے اکثر دیر ہو جایا کرتی تھی۔ اور یوں بھی وہ اسکول کی دونوں شفٹوں کے لیے کیشئر کا کام کرتی تھی۔ جس میں اس کا کام نہ صرف طلبا طالبات کی فیس لینا تھا...... بلکہ ان کو بینک میں بھی جمع کروانا تھا...... مطلوبہ بینک برانچ اس کے اسکول کے قریب ترین ہی تھی...... اس لیے یہ اضافی کام...... اسے کبھی کام لگا ہی نہیں...... اور دوسری بڑی بات یہ تھی کہ اس بینک کا منیجر حارث اسے بے تحاشا اچھا لگنے لگا تھا...... اور اسے یوں لگتا جیسے اس کا آئیڈیل اسے مل گیا ہو...... حارث سیدھا سادہ نیک طبیعت لڑکا تھا...... جو اپنے کلائنٹ کا بے حد خیال رکھا کرتا تھا...... گاہے بہ گاہے انہیں چائے بھی پلا دیا کرتا تھا...... اور حارث کے اچھے اخلاق کو شہلا نے اپنے لیے پسندیدگی سمجھ لیا...... اور یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر بے وجہ بھی بینک کے چکر لگا لیا کرتی تھی...... بینک کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی...... تو تاسف سے آہ بھر کر رہ گئی...... بینک کا ٹائم تو کب کا ختم ہو چکا تھا۔ ''اُف...... میرا نصیب...... آج اس کو دیکھنا میرے مقدر میں ہی نہیں تھا۔'' اب وہ بڑبڑاتے ہوئے بس اسٹاپ کی طرف چل رہی تھی۔

''کل اسکول جانے سے پہلے بینک جاؤں گی...... اور یہ پیسے اکاؤنٹ میں جمع کرواں گی۔ اب کون واپس لے جائے...... اسکول کی یہ ذمے داری گھر ہی لے جاتی ہوں۔''

وہ بہ مشکل بس اسٹاپ تک ہی پہنچی تھی کہ بونداباندی شروع ہوگئی...... اس نے پرس بغل میں دبا کر دونوں ہاتھوں کا چھجا سا بنا لیا...... اور دور سے آنے والی کوچز کو دیکھنے لگی...... یہ رش کا ٹائم تھا...... پہلی کوچ رکے بغیر ہی چلی گئی...... اور دوسری اور تیسری اتنی بھری ہوئی تھیں کہ وہ پائدان پر ڈنڈا پکڑ کر کھڑی ہونے کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ بونداباندی کچھ تیز ہوئی...... تو وہ پریشان ہوئی...... اور سامنے سے آنے والی کالی کار کو ٹیکسی سمجھ کر ہاتھ دے دیا...... گاڑی جب قریب آئی تو وہ شرمندہ سی ہوئی...... بارش اب دھواں دھار ہو رہی تھی اور گاڑی پاس آ کے رک گئی تھی۔

اس سے قبل کہ وہ معذرت کر کے پیچھے ہٹ جاتی...... گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے حارث اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''ارے مس...... آج آپ اتنی تاخیر سے اپنے اسکول سے نکلی ہیں؟''

''ہاں آج دیر ہوگئی۔''

''اتنی زیادہ دیر؟'' اس کے لہجے میں حیرت گھلی ہوئی تھی۔

''جی......'' وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

بادل زور سے گرجا اس اثنا میں ایک اور کوچ بھی آ گئی تھی۔ حارث کو ہاتھ ہلا کر اس نے ویگن کو رکنے کا اشارہ کیا...... مگر وہ رکے بغیر ہی چلی گئی۔

''آپ کہاں جائیں گی......؟'' حارث نے یہ سب دیکھ کر پوچھا۔

''ناظم آباد......''

''میں اُدھر سے ہی گزروں گا...... آئیں آپ......'' جملہ کہنے کے ساتھ ہی حارث نے گاڑی کا دروازہ کھول

دیا اور شہلا سرعت سے بڑھ کر یوں بیٹھ گئی کہ اگر اس نے رسماً بھی انکار کیا..... تو وہ برا مانے بغیر آگے بڑھ جائے گا۔ راستے میں وہ خاموش تھا..... مگر شہلا کو اس کا وجود بولتا ہوا لگ رہا تھا۔
اور جب مین روڈ سے اندر گلی در گلی مڑنے کا وہ بتا رہی تھی تو اسے یوں لگا جیسے اسے پریشانی سی ہو رہی ہو..... یا پھر شہلا کا ہی یہ احساس تھا۔
''بس یہاں ہی روک دیں.....'' اپنے گھر سے پہلے ہی قدرے چوڑی گلی میں اس نے گاڑی کے داخل ہونے کے بعد کہا۔
''کیا آپ یہاں ہی رہتی ہیں؟''
''جی یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ہی میرا گھر ہے..... مگر آپ کی گاڑی..... آگے نہیں جا سکے گی۔''
بارش رک گئی تھی..... حارث نے بھی جیسے اس کی بات مان کر..... گاڑی فوراً ہی روک دی تھی۔
وہ پرس سینے سے لگائے..... دوپٹا لپیٹ کر تیزی سے آگے بڑھی۔ چند قدم چلنے کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا..... اس کا خیال تھا..... وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا ہو گا۔
مگر وہ الجھ سی گئی..... نہ وہ تھا..... اور نہ اس کی گاڑی..... شاید وہ اس کے اترتے ہی تیزی سے روانہ ہو گیا تھا۔
''اوہ..... اتنی جلدی چلا گیا..... وہ..... اسے تو رکنا چاہیے تھا.....'' آگے بڑھ کر اس کے ساتھ پیدل ہی اس کے دروازے تک آنا چاہیے تھا۔
دل نے جیسے دہائی دی اور آنسو من ہی من میں ٹپک پڑے..... اس نے پھر مڑ کر دیکھا..... جیسے کہ اب وہ وہاں ہی کھڑا ہو گا وہ تو شاید اس کے اترتے ہی تیزی سے چلا گیا تھا۔
''ذمے دار لوگوں کے پاس اتنا ٹائم کہاں ہوا کرتا ہے۔'' اس کے دماغ نے جیسے اسے سمجھایا۔
''کوئی بات نہیں.....'' وہ تیزی سے اپنی تنگ سی گلی میں مڑتے ہوئے اپنے آپ سے بولی۔
''حارث..... آج تم مجھے چھوڑنے آئے، کل تم یقیناً..... میرے گھر بھی آؤ گے..... سب کے ساتھ چائے بھی پیو گے.....'' اپنے اس خیال پر وہ خود ہی شرما گئی۔

☆☆☆

''آ رہا ہوں اماں..... بس دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں میں..... مجھے معلوم ہے..... آج آپ کا اپائنمنٹ ڈاکٹر الوینہ کے ساتھ ہے۔'' حارث گاڑی تیز چلاتے ہوئے اپنی ماں سے موبائل پر بات کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''سوری اماں..... کیا بتاؤں اب آپ کو..... بعض دفعہ..... ذرا سی ہمدردی مہنگی پڑ جاتی ہے..... میں سمجھ رہا تھا..... بارش میں کسی کو مین روڈ پر اتارتا ہوا چلا جاؤں گا..... مگر اب گلیوں میں گھومنے میں جو وقت ضائع ہوا ہے..... اس کا تدارک تو نہیں ہو سکتا۔''
''اب گاڑی کو جہاز کی طرح مت اڑانے لگنا..... تم آرام سے آؤ..... میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' ماں نے فون بند کرنے سے پہلے اسے ہدایت دینی ضروری سمجھی اور وہ بھی کسی فرمانبردار بیٹے کی طرح سبک خرامی سے ڈرائیو کرنے لگا۔

☆☆☆

شہلا بھوک کی کچی تھی..... گھر میں داخل ہوتے ہی کھانے اور چائے کی پکار مچا دیتی تھی..... مگر آج وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی..... اور مسکراہٹ اور خوشی اس کے اندر پھوٹی پڑ رہی تھی۔
''آپا..... آپ اسکول سے ہی آ رہی ہیں ناں.....؟'' راحیلہ نے اسے غور سے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ اسکول سے ہی آتی ہوں میں۔'' وہ گڑبڑا کر بولی...... جیسے چھوٹی بہن نے اسے حارث کے ساتھ گاڑی میں آتا ہوا دیکھ لیا ہو۔

''آج آپ کے اسکول کے ایڈمنسٹریٹر اشفاق صاحب کا کوئی چار مرتبہ فون آچکا ہے...... وہ آپ کو پوچھ رہے تھے۔''

شہلا نے اپنے پرس سے اپنا موبائل نکالا...... تو یک دم سر تھام لیا۔ اشفاق صاحب کی کئی مسڈ کالز موجود تھیں اور اس کا موبائل سائلنٹ پر تھا۔

سرعت سے نمبر ملا کر اس نے انہیں کال کی...... تو وہ انتہائی برہم لہجے سے اسے یہ باور کرا رہے تھے کہ اگر بینک کا وقت ختم ہو گیا تھا تو اسکول کے بچوں کی فیس وہ اسکول کے لاکر میں رکھ کر کیوں نہیں گئی۔

''سر میں نے سوچا صبح اسکول آنے سے پہلے بینک میں جمع کرواتی ہوئی آجاؤں گی۔''

''اور اگر کوئی آپ کا پرس لے کر بھاگ جاتا تو...... نقصان تو ہمارا ہی ہوتا ناں......''

''سر میں اپنا پرس اپنے ساتھ لگا کر چلتی ہوں...... اور پھر دوپٹا بھی لپیٹ لیا کرتی ہوں...... کسی کو کیا پتا میرے پرس میں کیا ہے۔''

''صرف ایک پستول دیکھ کر آپ از خود اپنا پرس دے دیتیں...... اور یہ بھی کہتیں کہ میری جان بخشی کرو...... اور اسکول کی فیس لے لو......''

''سوری سر...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ان کی تقریر تو ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ ہو......'' وہ دہاڑنے والے انداز میں بولے۔

''جی سر...... اوکے سر...... بہتر سر...... آئندہ ایسا ہی ہوگا......'' کہہ کر اس نے موبائل بند کر کے گہری سانس لی۔

''آپا...... کھانا لاؤں...... یا صرف چائے......؟'' راحیلہ نے اس سے پوچھا کہ پریشانی کی کوئی بھی بات ہوتی تو سب سے پہلے اس کا حلق بند ہو جایا کرتا...... کوئی کتنا ہی اصرار کرتا...... اس سے دو لقمے نہ کھائے جاتے...... کہ بے حد حساس جو تھی وہ۔

''بہت بھوک لگ رہی ہے...... فوراً کھانا لاؤ......'' اس نے پرس الماری میں رکھ کر بے تابانہ لہجے میں کہا۔

''آپا آج ڈانٹ کھا کر آپ کا پیٹ نہیں بھرا کیا......؟'' راحیلہ کا لہجہ شرارتی سا تھا۔

''ہاں، آج خوشی کا کوٹہ بہت زیادہ ہے۔'' وہ طمانیت سے مسکرا کر بولی اور راحیلہ کو اس کے اس انداز پر خاصی حیرت ہوئی تھی۔

☆☆☆

حیرت تو کیا پریشانی بھی شروع، شروع میں تو بہت ہوتی تھی مگر اب مجھے کوئی حیرت نہیں ہو رہی تھی۔ کسی بیڈ لسڈ سرکاری گرلز اسکول میں جب ہیڈ مسٹریس چھٹی پر ہوں تو عموماً بد شوق ٹیچر کلاسز میں نہیں جایا کرتیں...... اور ایسے میں ان کی کلاس کے بچوں کا شور پورے اسکول کو ڈسٹرب کیا کرتا ہے اور آج ہمارے آفس کا ماحول بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔

فرزانہ اپنے کیبن میں بیٹھ کر جگمگاتے سے ناخن لگا رہی تھی...... آج شام کو اسے کسی فنکشن میں جانا تھا۔

''یہ ناخن کس کو گاڑنے ہیں...... جو اتنی محنت کی جا رہی ہے۔'' میں نے راؤنڈ لگاتے ہوئے پوچھا۔

''میرے ہاتھ کتنے خوب صورت ہیں...... اور خوب صورت کو مزید خوب صورت بنانا چاہیے۔''

''مگر مجھے تو بڑھے ہوئے ناخنوں سے ہی وحشت ہوتی ہے۔'' میں نے کندھے اچکا کر برا سا منہ بنایا۔

''وہ اس لیے مائی ڈیئر کہ اللہ نے تمہیں فرصت سے بنایا ہے...... اور تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''پھر دو سینگ بھی لگالو...... کہ جب بس نہ چلے تو سینگ مار دو......'' میں ہنس کر آگے بڑھ گئی۔
مگر ساجد کا قہقہہ دیر تک سنائی دیتا رہا۔
''کیا کل اخبار نہیں نکلے گا...... یا آج کا اخبار دوبارہ چھاپ دیا جائے گا؟'' سب کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے دیکھ کر میں نے پوچھا۔
''جیسے آج کل حالات چل رہے ہیں...... پندرہ دن پرانے اخبار کی ڈیٹ چینج کر کے اسے دوبارہ بھی چلایا جاسکتا ہے۔'' جاوید نے کھی کھی میں رائے دی۔
''اب ایسی باتیں فرید صاحب کے سامنے مت کر دینا...... ورنہ وہ کھنچائی کرنے میں ٹائم نہیں لیا کرتے......''
''آج بگ باس آئے ہی نہیں ہیں...... جب ہی تو یہ سب بکواس ہو رہی ہے......'' فرزانہ اپنے جگمگاتے ناخنوں پر پھونکیں مارتے ہوئے اب مین لاؤنج میں آگئی تھی۔
اور آج کا دن نہ جانے کیوں...... مجھے بے حد عجیب سا لگ رہا تھا۔ خواہ مخواہ کی گھبراہٹ سی ہو رہی تھی...... ایسا خیر اکثر میرے ساتھ ہوا کرتا تھا۔
آج آفس میں آنے کے بعد فرید صاحب اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ ان کا بے وجہ کا شور کم تھا...... ورنہ ان کی آواز دیگر آوازوں پر ہمیشہ غالب رہتی تھی۔
فرزانہ کا تو خیال تھا کہ وہ یقیناً ابھی آئے ہی نہیں ہیں...... پیون (چپراسی) جھوٹ بول رہا ہے کہ وہ آچکے ہیں...... پیون کے جھوٹ کے لاتعداد قصے بھی سب کو ازبر تھے۔ ناعمہ اور ساجد اپنے، اپنے کیبن چھوڑ کر وہیں لاؤنج میں آکر چائے پی رہے تھے۔ یہاں کوئی رپورٹر کسی فیملی اداکارہ کا نہ صرف انٹرویو کر رہی تھی بلکہ اس کی تصاویر بھی بنائی جا رہی تھیں...... فرید صاحب کی زوردار چھینکوں کی آواز جب باہر آئی تو سب کو یقین ہو گیا کہ موصوف آفس میں ہی تشریف رکھتے ہیں...... مگر سب ورکرز کو اس بات پر خاصی حیرانی ہو رہی تھی کہ موصوف آخر چیخنے چلّانے سے باز کیوں ہیں......
''لگتا ہے سر کی طبیعت خراب ہے۔'' فرزانہ نے اپنے آفس فیلوز کو SMS کرنے شروع کر دیے۔
''یہ تو اچھی بات ہے مگر ہوا کیا ہے؟''
''شاید آواز بیٹھ گئی ہو گی۔''
''نہیں بھئی، چھینک کی آواز تو آواز کی رفتار سے بھی تیز تھی۔''
''پھر منہ میں چھالے نکل آئے ہوں گے۔''
''نہیں بھئی ڈکرانے والے چھالوں اور سالوں کی بھی پروا نہیں کرتے۔''
''پھر تو راستے میں چالان ہوا ہے اور وہ بھی زبردست سا......''
''ارے بیگم سے لڑائی ہوئی ہو گی اور انہوں نے بغیر ناشتے کے ان کو روانہ کر دیا ہے۔''
مزیدار میسجز کا خوب تبادلہ ہو رہا تھا...... اور ہنسی کا دورانیہ بڑھتا ہی جا رہا تھا...... اس سے قبل کہ یہ ہنسی کے گول گپے...... پٹاخوں کی صورت اختیار کرتے فرید صاحب کی آواز سنائی دی...... پرانے لب و لہجے کے ساتھ مگر نئے انداز میں......
''ابے یہ کی ہے تم نے رپورٹنگ...... کچی عمر کی لڑکیوں کو ورغلانے والوں کی تصاویر میں سب کے چہرے چھپے ہوئے ہیں اور معصوم بچیاں جن پر ظلم ہوا ہے...... ان کے کلوز اپ لگا دیے گئے ہیں۔'' فرید صاحب کا چیخنا...... آج مجھے خاصا برحق لگ رہا تھا۔

''سر ایسا ہی ہوتا ہے...... اخبارات کیا...... ٹی وی کے چینلز دیکھ لیں...... مجرموں کو چادر اڑھا کر دکھایا جاتا ہے اور جن کے ساتھ ظلم ہوتا ہے ان کی بڑی، بڑی تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔''

''مگر اب ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔''

''سر اخبار ویسے ہی نہیں چل رہا ہے...... اگر کچھ نیا کرنے کو کہیں گے تو یہ اخبار بند ہو جائے گا۔''

''ہو جانے دو بند مگر ہمیں مظلوموں کا ساتھ دینا ہے...... ان کی مدد کرنی ہے، حق دار کو اس کا حق دلوانے کے لیے سعی کرنی ہے۔''

''مگر یہ سوچ کب آئی آپ کے دماغ میں؟'' نیوز ایڈیٹر نے ہمت کر کے پوچھا۔

''آج ہی آئی ہے صبح دس بج کر بیس منٹ پر۔''

''جس شخص کی مونچھیں ہمہ وقت سوا نو بجا رہی ہوتی ہیں...... وہ دس بج کر بیس منٹ پر کوئی اچھی بات بھی سوچ سکتا ہے، حیرت......؟'' فرزانہ نے میرے موبائل پر ایس ایم ایس کیا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے...... پہلے اسے ہٹلر کی طرح مونچھوں کو بارہ بجے کے ٹائم پر سیٹ کرنا چاہیے تھا......'' میں نے بے پروائی سے میسج سینٹ کیا۔

فرزانہ کی ہنسی نکلی جسے اس نے کمال مہارت سے زبردستی کی کھانسی میں مدغم کیا...... ورنہ سر فرید اپنی بات روک کر میری اور فرزانہ کی جانب دیکھنے لگتے تھے۔

''سر کیا اب ہم ہر رپورٹنگ میں ان ہی اصولوں کا خیال رکھیں گے؟'' نیوز ایڈیٹر ان سے مزید معلومات لے رہا تھا۔

''اب سب کا تو مجھے پتا نہیں...... اس رپورٹ کو دیکھ کر میرے ایک دوست کو غصہ آیا تھا...... تو میں نے تم لوگوں کو بھی سمجھا دیا کہ میرے دوست کا یہ کہنا ہے کہ سچ کا ساتھ دینے والے ہمیشہ آگے بڑھا کرتے ہیں۔''

''مگر سر، ایسے لوگ کبھی پیچھے بھی کر دیے جاتے ہیں۔''

''ایسے امتحان تو ہر ایک کی زندگی میں آتے ہیں...... اور ان امتحانوں میں سرخرو ہونے کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا ناں......'' فرید صاحب کی تقریر میں آج نیا ہی رنگ تھا...... اور اب میں بڑی عقیدت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''سر آپ کے اخبار میں تو ہر روز ہی کوئی نیا امتحان نظر آتا ہے...... یاد ہے ہم نے شہر کی ایک معروف شخصیت کے ہاں چوری کی رپورٹ میں لکھ دیا تھا کہ چور پانچ کروڑ نقد اور پتا نہیں کتنے کلو سونا لے گئے...... اور بعد میں ان کی ناراضی جھیل کر ہم نے اگلے روز کے اخبار میں یہ نیوز لگائی تھی کہ چور صرف پچاس ہزار لے کر گئے تھے اور یہ رقم بھی کسی نے مذکورہ شخصیت کے پاس امانتاً رکھوائی تھی......'' علی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''سر......! پھر آپ نے معافی علیحدہ مانگی تھی...... ورنہ انہوں نے اخبار بند کروانے کی آپ کو دھمکی دے ہی دی تھی......'' جاوید نے اس سے بھی بڑا قہقہہ لگا کر کہا۔

یہ دو جملے تھے...... یا پٹرول بم...... آفس کا ماحول یک لخت ہی بدل گیا۔

''تم دونوں یہاں باتیں بنانے اور دوسروں کو تپانے کے لیے بیٹھے ہو ناں...... ہر وقت کی ٹھی ٹھی، ہر وقت کی کھی، کھی...... کرنے کے لیے میرا ہی دفتر رہ گیا ہے کیا......؟'' فرید صاحب اپنے پرانے لب و لہجے...... پر آ گئے اور دہاڑنے والے انداز میں بولے۔

''نو سر......'' جاوید اپنی مسکراہٹ داب کر بولا۔

''اے...... باتیں بنانے کے لیے بیٹھا ہے ناں...... یہ کر...... تو کسی چینل کو جوائن کر لے...... وہاں بیٹھ کر جتنا

مہمانوں پر غرا کر آئے گا ناں...... اتنا ہی تو کامیاب اینکر ٹھہرے گا......''

''رنگیلی سر......!'' جاوید نے انتہائی معصومیت بھرے لہجے میں پوچھا۔ اور ہم سب کی ہنسی نکل گئی۔

''ہونہہ اینکر بنے گا تو...... اپنی شکل دیکھی ہے...... شکل پر ہمیشہ سڑے ہوئے بارہ بجے رہتے ہیں۔''

''سڑے ہوئے بارہ کا مطلب ساڑھے بارہ بنتا ہے۔'' فرزانہ نے میرے موبائل پر SMS بھیجا۔

''کوائٹ......'' مجھے سر فرید کے غصے کا اندازہ ہو رہا تھا کہ اب وہ مزید اوپر جانے والا تھا۔

اور پھر وہ واقعی اتنا چیخے...... اتنا کہ سب خود اٹھ کر اپنے، اپنے کیبن میں چلے گئے...... فرید صاحب جو آج صبح سے خاموش تھے انہوں نے از خود قفل توڑ کر اپنا کوٹا مکمل کر لیا تھا۔

جاوید اور علی منہ بنائے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور فرید صاحب نارمل انداز میں اب چائے پی رہے تھے...... اور اپنے موبائل پر کسی سے ہنس، ہنس کر ایسے باتیں کر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو۔

''دیکھ لیا تم...... آج گھر جا کر یہ بگ باس اپنی بیوی سے نہ پٹا تو میرا نام بدل دینا......''

''دیکھ لینا تم...... کل جب یہ آفس آئے گا ناں تو اس کو فوڈ پوائزن ہوگا......'' فرزانہ، علی اور جاوید کو دلچسپ میسج بھیج کر ان کا کلیجا ہلکا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

مگر مجھے یہ سب بہت برا لگ رہا تھا...... اخبار کے مالک کو تو اپنے ورکرز کی سب سے زیادہ عزت کرنی چاہیے...... مگر یہاں تو ہر ایک کی عزت آنی جانی شے کے مانند ہو گئی تھی...... کہ کبھی آ گئی اور کبھی چلی گئی۔

''اگر سر فرید...... کبھی مجھ سے اس لہجے میں بات کریں گے تو اسی وقت ان کے منہ پر استعفیٰ مار دوں گی۔'' میں نے اپنے آپ کو از خود سمجھاتے ہوئے کہا۔

مگر یہ ایک طرح سے اچھی ہی بات تھی...... کہ خواتین ورکرز کے ساتھ وہ اس بے ہنگم انداز میں گفتگو نہیں کیا کرتے تھے...... سر فرید کی گفتگو کو سدھارنے کے لیے ہمارا اسٹاف اب باہم مشورے کیا کرتا...... جس میں مجھے فرزانہ کی رائے سب سے زیادہ پسند آئی تھی کہ انہیں کسی تعلیم بالغان سینٹر میں ایڈمیشن دلوایا جائے اور اخلاقیات کا دو سالہ ڈپلوما کسی دوسرے شہر سے کروایا جائے۔

''علی یہ سموسے آ گئے ہیں...... چٹنی کے ساتھ...... جلدی آ جاؤ...... جاوید...... میں نے غلطی سے پزا آرڈر کر دیا تھا...... اور میں پزا کھاتا ہی نہیں ہوں...... جلدی سے آ جاؤ......'' ماحول کی تلخی دور کرنے میں فرید صاحب زیادہ ٹائم نہیں لیا کرتے تھے۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں سب نے ہنستے مسکراتے ایک دوسرے کو چھیڑتے ہوئے یوں سموسوں اور پزا پر دھاوا بولا کہ مجھے کہنا پڑا۔

''جس فوڈ پوائزن کی پیشگی اطلاع دی جا رہی تھی مجھے لگتا ہے وہ رخ بدل کر تم لوگوں تک آنے والا ہے۔''

اور ایسے میں علی اور جاوید...... اپنے اوپر دم کرتے ہوئے جس انداز میں کھا رہے تھے فرزانہ کی آنکھوں میں ہنستے، ہنستے آنسو تک آ گئے۔

یہ کھٹا میٹھا سا ماحول تھا ہمارے اخبار کے دفتر کا...... جس کا نام تو بہت اچھا سا تھا...... مگر ہم سب نے لاڈ بھرا نام جان رکھ چھوڑا تھا۔ جو ہماری جان جلاتا تھا۔ جس کی وجہ سے ہماری جان سولی پر آ جاتی تھی اور جس کے ساتھ ہماری جان میں جان بھی آ جاتی تھی۔

یوں روزنامہ جان، ہم سب کی جان کا مان بھی بن جاتا تھا۔

(جاری ہے)